’’غامدی صاحب کا گمراہانہ نظریۂ جہاد......ایک تنقیدی جائزہ‘‘

تحریر: ڈاکٹر رضوان علی ندوی ترجمہ: مفتی ثناء اللہ محمود

الأستاذ ڈاکٹر رضوان علی ندوی صاحب کے عربی مقالے ’’مبدء الجهاد و مقال آخر للأستاذ الغامدی فی المیزان‘‘ کا اردو ترجمہ مفتی ثناء اللہ کے قلم سے حاضر خدمت ہے. اصل عربی مقالہ بھی رسالے میں شامل کر دیا گیا ہے. ڈاکٹر رضوان علی ندوی کے اصل عربی مقالے کی فصاحت و بلاغت اور جوش ایمانی کو اردو میں منتقل کرنا بہت مشکل ہے. ایمان ایقان اور علم کی جو لذت عربی تحریر میں ہے اردو ترجمہ اس کا قائم مقام نہیں ہوسکتا اس مقالے کے ذریعے فکر غامدی کی علمی گمراہیاں، سورج کی طرح روشن ہوگئی ہیں، ساحل]

دو ہفتے پہلے میں غامدی صاحب کی عربی تحریروں کے تنقیدی جائزے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ ’’ماہنامہ ساحل‘‘ اردو کے مدیر مولوی خالد بن حسن صاحب نے میرے پاس ان کی مزید دو عربی تحریریں بھیج دیں تاکہ میں ان کی زبان اور ان تحریروں میں موجود فکر پر ایک تفصیلی تنقیدی نظر ڈالوں، میں ان کی آواز پر اسلامی فکر کے لیے ان کے درد و اخلاص کی وجہ سے [اگرچہ ان کے فکر کے بعض پہلوؤں سے مجھے علمی اختلاف ہے] لبیک کہتے ہوئے یہ مضمون تحریر کر رہا ہوں۔

موضوع کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے میں عربی قارئین اور غامدی صاحب کی عربی تحریروں کا مطالعہ کرنے والے حضرات کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ غامدی صاحب نے اپنے بعض شاگردوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنے بارے میں مشہور کر دیا ہے کہ وہ عربی کے ماہر اور ایک بڑے اسلامی مفکر ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان و ادب سے سرسری واقفیت رکھتے ہیں، اور صحیح عربی لکھنے پر تو قادر ہی نہیں ہیں۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ الیکٹرانک ذرائع ابلاغ [چند پاکستانی ٹی وی چینلز] اس معاملے میں پچھلے چند سالوں سے ان کو ایک اسلامی مفکر کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں اور مختلف دینی موضوعات پر ان کو دعوتِ مشارکت دے کر ان کی شہرت کو چار چاند لگا رہے ہیں۔ غامدی صاحب اور ان ٹی وی چینلز کا رجحان حکومت کے سیاسی مسلک سے ہم آہنگ ہے، جو سیکولر ہے۔

رہی غامدی صاحب کی عربی دانی تو وہ پاکستانی عوام کی نظر میں ’’ماہنامہ ساحل‘‘ اپریل ۲۰۰۷ء کے شمارے میں شائع شدہ میرے پچاس صفحاتی دو مقالوں کے بعد رسوا کن طریقے پر آشکار ہو چکی ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ عربی زبان پر انھیں کوئی عبور و مہارت نہیں اور نہ ہی وہ اس قابل ہیں کہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کسی غلطی کے بغیر عربی زبان میں کرسکیں۔ مزید براں

یہ کہ وہ عربی قواعد [صرف ونحو] کی بھی بے تحاشا غلطیاں کرتے ہیں اور اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لیے عربی کے نامانوس اور متروک الفاظ اور قدیم جاہلی اشعار کا سہارا لیتے ہیں۔ طرفہ تماشہ یہ کہ آیاتِ قرآنی کی تفسیر صرف دورِ جاہلیت کے شعرا کے اشعار کی روشنی میں کرنے کی سعی کرتے ہیں اور ان آیات کی تفسیر میں صحابۂ کرام و تابعین کے اقوال تو ایک طرف غامدی صاحب قدیم ماہرینِ لغت کی کتب کی طرف بھی رجوع نہیں کرتے جو انھوں نے دوسری صدی ہجری میں قرآن کریم کے الفاظ و معانی کے موضوع پر تصنیف کی تھیں۔ جیسے ''الفراء، ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ کی تالیفات۔

غامدی صاحب کی دو مختصر عربی تحریروں کا میں نے اس سے پہلے تنقیدی جائزہ مذکورہ رسالے میں لیا ہے وہ پرانی تحریریں ہیں جو ایک قلیل العمر مجلّہ الاعلام میں ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی تھیں اور آج کل انٹرنیٹ پر http://arabic.almawrid.org نامی سائٹ پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

اس وقت میرے سامنے جو تحریریں ہیں وہ نئی ہیں اور اسی مذکورہ ویب سائٹ سے لی گئی ہیں۔

اس میں دو مقالے ہیں، ایک بڑے حروف میں لکھا گیا تین صفحاتی چھوٹا مقالہ ہے اور دوسرا مقالہ انیس صفحات پر مشتمل ہے اور تین قسطوں میں ہے جس کا آرٹیکل کوڈ ہے مبدأ الجہاد SM04, SM05, SM06 ماہنامہ ساحل کے قارئین اس کوڈ پر اسے ملاحظہ کر سکتے ہیں ان مقالات کی تاریخ اندراج چھ اپریل ۲۰۰۷ء ہے۔

اب میں اپنے عربی قارئین کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں ان کی یہ عربی تحریریں بڑی مشکل سے پڑھ پایا۔ کیونکہ اس میں لغوی، نحوی، غلطیاں اور تعبیر میں ابہام اس قدر تھا کہ میں انھیں ردی کی ٹوکری میں ڈالنے لگا تھا، لیکن اگر ساحل کے صاحبِ ایمان، صالح و مخلص مدیر نے جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ غامدی صاحب کے اس فتنے پر کاری ضربِ حق لگائیں مجھ پر یہ ذمہ داری نہ ڈالی ہوتی تو میں واقعتاً ان تحریروں کو ردی کی ٹوکری کی نذر کر چکا ہوتا۔

میں عرب قارئین کی خدمت میں اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ٹھہریے میرے بھائی ایسا مت کیجیے۔ مجھے اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ آپ ان دونوں تحریروں کو اس کی اغلاط کی کثرت کے سبب اور میرے قلم سے ان اغلاط کی تصحیح پڑھتے سے تنگ آجائیں گے۔

اب میں آپ کو ان تحریروں کی نحوی، لغوی اور تعبیر کی اغلاط علیحدہ سے پیش کر دیتا ہوں۔ اگر آپ اپنے دل میں انھیں پڑھنے کا راسخ ارادہ پاتے ہیں تو آپ ان دونوں تحریروں میں بڑی عجیب و غریب غلطیاں پائیں گے اور شاید آپ کا سر ان نادر عربی تحریروں کو پڑھ کر ان کی فاحش اغلاط اور سوءِ تعبیر کے سبب گھومتا رہے گا۔ ہم نے ان کی غلط عربی عبارت کے مقابل صحیح عبارت لکھی ہے تاکہ قاری کو مطلب سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے اور آسانی سے ہماری بات آپ کے ذہن نشین ہو جائے۔ پہلی تحریر کا عنوان ہے:

الوضع السياسی للأمة المسلمة

[امتِ مسلمہ کی سیاسی حالت]

نحوی اور عبارتی اغلاط اور ان کی تصحیح

غلط	صحیح
۱۔ **هـذه الدول الاسلامية ......ان <u>يحاول</u> لاستقلال اقاليم المسلمين**	یہاں لفظ اقالیم غلط استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اقلیم کا لفظ [جس کی جمع اقالیم ہے] ممالک کی ادارتی وحدت کو کہا جاتا ہے جب کہ

	یہاں مقصود اسلامی ممالک کی آزادی ہے نہ ان کے صوبوں کی۔
۲۔ بلد ناهذه باكستان	یہاں درست لفظ ''بلادنا'' ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ لفظ ''بلد'' شہر کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے [اور یہاں مراد شہر مكة المكرّمہ ہے]
۳۔ الحكومة ان ارادت ان تساوى الطريق	یہاں صحیح لفظ تهئ الطریق ہے۔
٤۔ ان يعاينوا ذرائع اصلاح المجتمع	یہاں صحیح ان يفكر ووافى وسائل ہے۔
٥۔ وبعد ادراك حقيقتها وتعيينها	یہاں ''حقیقتاً وتحدیدھا ہے۔
٦۔ اسباب تخريب المجتمع	أسباب فساد...... صحیح لفظ ہے اسباب فساد
٧۔ ثم ينفذوا تعبيراحكام الشريعة	ثم يطبقوا أحكام الشريعة
٨۔ الافضليات والترجيحات	الأوليات لتطبيق الشريعة
٩۔ واذا التفت الزعماء......الى هذا الامر	واذا اقتنع ......بصلاح هذه الخطة
١٠۔ لكان عليهم ان يجهدوا فى ميدان الانتخابات	......ان يجتهدوافى عملية الانتخابات
١١۔ السياسة والمعيشة	السياسة والاقتصاد
١٢۔ ولودخلوا الميدان لهذا الغرض	ولود خلوا ميد ان الانتخابات بعد هذا الاعداد
١٣۔ واما العلماء لوقاموا	......فلوقاموا
١٤۔ ان يوضحوا للحكام............	غيرمفهوم
١٥۔ وتتم الحجة عليهم	حتى تتم الحجة......
١٦۔ وينذورهم بشان الاستغناء ولين القلب	غيرمفهوم، لعله يقصدينذ روهم بحسن الخلق
١٧۔ ولكن بسوء حظهم	...... لسوء حظهم
١٨۔ واما ارباب الحكومة فكان اكثرهم جاهلا فى علم الدين	......فاكثرهم جهلاء بعلوم دينهم
١٩۔ غيرمبال للعمل به	غيرمبالين بتطبيق احكامه
٢٠۔ وكانوا عبادا للفكرالافرنجى	......عبيداً للفكر......
٢١۔ حتى لم يكن من ممكن لهم ان يتفكرواضدفكرهم	حتى لم يخطرببالهم ان يتفكرواغيرتفكيرهم
٢٢۔ فهم حاربوا للديمقراطية الغربية حرب الرجال..	فهم حاربواطالبين الديمقراطية......

٢٣. اعلاء كلمة الدين في نظام الدولة في بلدنا	......نظم الدولة في بلادنا (والكاتب دائماً يستعمل بلدنامكان بلادنا)
٢٤. لم تكن تصلح بهم ولابشانهم ابداً	......تصلح لهم
٢٥. وكان عليهم ان يحاولوا في تدين الزعماء	......يحاولواتوجيه الزعماء السياسيين نحوالدين
٢٦. وبدلامن النصيحة	وبدلامن بذل النصح
٢٧. ويجهدوافيه لغرضهم	يجتهد وافيه لتحقيق هدفهم
٢٨. ساء لهم جداً	اساء وا الى قضيتهم ......
٢٩. وان كانوامفكرين ومحققين	وان كانوا مفكرين باحثين
٣٠. اصبحت خطوتهم هذه سلسالا في اقدامهم	......سلاسل في اقدامهم (ومعلوم ان السلسال يقال للماء العذب السهل المذاق)
٣١. كزعماء سياسيين وقائدي الشعب	......وقادة الشعب
٣٢. كانت رغبتهم الحقيقة الى اشغالهم العلمية والبحثية	......الحقيقية مركوزة في اعمالهم الدراسية والبحث العلمي
٣٣. الى زروة سنامه	......ذروة سنامه (خطااملائي للذروة)
٣٤. فلانراه الا امنية بعيدة	......بعيدة المنال

میں اپنے صبر آزما قارئین کو ان جیسی بہت سی باریک لغوی غلطیاں دکھا کر پریشانی میں ڈالنا نہیں چاہتا بس ان پر ہی اکتفا کرتا ہوں اور نحوی اغلاط کی نشاندہی کیے دیتا ہوں۔

اخطاء نحوية

خطأ	صواب
١. لم يكن الزعماء السياسيين مختلفين	...... السياسيون ......
٢. وطالبوا منهم مطالباً	...... مطالب
٣. بتقديم شخصيتهم الدينية كزعيم سياسي	...... شخصياتهم الدينية كزعماء السياسيين
٤. لم يبقي لهم الدعوة	لم تبق لهم الدعوة (خطأ فاحش)
٥. رأتهم الشعب وانما كعالم وداع ومفكر	رآهم الشعب وانما كعلماء ودعاة ومفكرين
٦. ولم يكن لها ان تقبلهم ...... وقائدي الشعب	ولم يكن له ان يقبلهم ...... وقادة الشعب
٧. ان السياسة بالنسبة له مجالاً ثانوياً للعمل	...... مجال ثانوي للعمل

٨۔ ولـكـن مـاذا لـلـمسـلـمين المستضعفين ...... فهم اجزاء ......
فهم جزءا من جسدنا
(يشيـرصـراحة الـى مسلمى آذربيجـان وكشميروغيرهما)

دوسرا مقالہ ''مبدأ الجہاد'' [قسط اول]

ہم نے اس سے پہلے گفتگو کی ابتداء میں غامدی صاحب کے اس طویل مقالے کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ یہ مقالہ ''مبدأ الجہاد'' [قانون جہاد] کے نام سے ہے اور ویب سائٹ کا پتہ بھی ہم نے لکھ دیا تھا اور یہ کہ یہ تین اقساط میں شائع ہوا ہے۔ اب ہم اس مقالے پر اپنا جائزہ اور اس کی لغوی، نحوی فاحش اغلاط اور اس کے فکری انحراف کو بیان کریں گے۔

فاحش نحوی اغلاط

أخطاء نحوية فا حشة

خطأ [غلط]	صواب [صحیح]
١۔ قوماً تتعدى على غيرهاوتقوم بالفساد	قوماً يعتدى على غيرهم ويقوم ......
٢۔ فينهزم المنكرين	فينهزم المنكرون
٣۔ففى هذه الآيات يأذن الله المومنين	ففى هاتين الآيتين يأذن الله المومنين
٤۔ (بعـد ذكر آيتى القتال فى سورة الحج) ان القتال من غيرالسلطة ......يصبح فساد حتماً	ان القتال بدون وجود سلطة سيا سية يصبح فساداً......
٥۔حتى يكونوا من حكام شرعيين ذى سلطة	...... ذوى سلطة
٦۔ وجعلها فى موقع مختلفة	...... فى موقع مختلف (او مواقع مختلفة)
٧۔ على السابقين الاوليين	...... الاولين (وقد يكون خطاءً طبعياً)
٨۔ كان كل من المسلمين يكلف للجهاد	...... مكلفا بالجهاد
٩۔ فالمقاتلين فيهاافضل على غيرهم	فالمقاتلون فيها افضل من غيرهم
١٠۔ فمن كان مساند من ربه	......كان مسانداً......
١١۔ ينصره القدرة الالٰهية	تنصره القدرة ......
١٢۔ قال به النبى ﷺ ...... باسلوب الجميل	......باسلوب جميل (او باسلوبه الجميل)
١٣۔انّ لجميع الحرمات قصاص	ان .... قصاصاً
١٤۔ إن كـان قـوم يظلم مسلمين وهـم معاهد ين	...... وهم معاهدون
١٥ وقال هذه الغرور لايـليق بشان من يؤمن بالله	......هذا الغرور لايليق بمن يومن بالله
١٦۔ عند ما بيّن اعتداء احدىٰ الفريقين	......احد الفريقين

اخطاء لغوية وتعبيرية

خطأ	صواب
١۔ وللحفاظ عليهما جُعل انواعاً من التأديب	..........جعلت انواعٌ ....
٢۔ لمن يحاولون نقضهما (اى الامن والحرية)	نقض الحرية تعبير، ركيك والصواب : "الإخلال بهما"
٣۔الأمم تتعدى على بعضهافلابدمن سلّ السيف عليها	......فلابدمن سلّ السيف على المعتدى منها
٤۔وان يرفعهاالسيف ......ولايضعوه فيَ غمده	ان يسلوا ...... ولايغمد وه
٥۔الى حد ان تخرّب المعابد وتبلى وتدرس من المعابد التى يذكرفيهااسم رب العلمين	ان تخرّب الكنائس والأديرة وهياكل اليهود، والمساجد التى يعبد الله فيها(فان فى القرآن ذكرهذه المعابد المختلفة)
٦۔فهذا هو الجهاد فى المصطلحات الشريعة	...... فى مصطلح الشريعة
٧۔والذى يتم د ائماً من ايدى من يختارهم الله	...... على ايدى ......
٧۔ومعناه انهم يصبحون شهادة للحق	.... شهداء ....
٨۔والآخرمن عين على هذا المنصب	وآخر ...... من كلّف بهذه الوظيفة
٩۔وعند مايتم الحجة على ایّ قوم ...... يتعذب المنكرون	.... على قوم يُعذّب ....
١٠۔فينهزم المنكرين وتعلىٰ كلمة الحق	فينهزم المنكرون ...... وتعلو ....
١١۔بانهم يحقون ان يقوموا ضد الظلم	...... يحق لهم ....(المترجم يستعمل دائماً
١٢۔بانهم يستحقون ان يرفعوا السيف	......يحق لهم ....يستحقون فى موضع يحق۔ وهذا التعبيراردى۔
١٣۔قرار الاتهام على قريش فى مظالمهم	...... لمظالمهم
١٤۔وتضيقت عليه الارض	وضاقت عليه .... او ضُيقت عليه ......
١٥۔فعلى أساس هذه المظالم	فبسبب هذه ......
١٦۔فلايصح أن يؤذن لهااى فرقة	......أن يؤذن لأيّة فرقة ......
١٧۔فالمكيات يجدها القارى	فالسور المكية ......
١٨۔وهم يستحقون ان يقوموا بها	وهم يحق لهم ان يقوموا به (الكلام هنا عن الجهادفيجب ضميرالتذكير)
١٩۔ان للمسلمين حقاً أن يرفعوا السيف	...... حقاً فى أن يرفعوا

۲۰۔کانت تحول بین حجهم بیت الحرام	...... بینهم وبین حجهم لبیت الله......
۲۱۔مسئولیة ......لایمکن ان تحمّل علی المسلمین	ان یُحمَّلها المسلمون ......
۲۲۔موضحاً بصیرة هذا الامر	......حکمة ......(وفی غیرهذا الموضع ایضاً)
۲۳۔قادراً علی مواجهة عشر مثله	...... عشرة امثاله
۲٤۔وهذه البصیرة ،وبهذه البصیرة ،لان بصیرته ینزله المنزل	یستعمل المترجم فی المقطع الثالث فی ترجمة نص من اللغة الأُردیة کلمة "البصیرة" بکثرة کماهو فی النص الأُردی۔ولکن المقصود فی هذه الاماکن :الفراسة الإیمانیة ، ونورالباطن ، والخبرة وماشاکل ذلک۔و فی القرآن استعملت أیضاًبمعنی الحجة الواضحة والبیان الشافی فی عدة آیات ، وفی سورة القیامة بمعنی الخبیر۔والتاء المربوطة هنا للمبالغة کماهی فی "العلامة والداعیة"۔
۲۵۔عندماتقابلون العدوهجوم الجیش المنظم	عندما تواجهون هجوم جیش العدو............
۲٦۔من تولیٰ مدبراً سوف یتولیٰ بغضب الله	......فسوف یتعرض لغضب الله
۲۷۔من یتولیٰ من میدان القتال ربمایولّی جیشهکله بسبب جبنه	......یتولیٰ عن ......ربمایسبب تولّی الجیش کله عن میدان القتال لجبنه ۔ (صلة تولّیٰ لیست من بل عن و یولّی متعدٍ)
۲۸۔ثلاث نکات	ثلاث نقاط (عجمة من الأُردو)
۲۹۔یحاولوا فی استحکام أنفسهم الاخلاقیة	فی تقویة انفسهم خلقیاً
۳۰۔وان الوضع غیرهذا	وإن کان الوضع غیرهذا
۳۱۔ول الحصول حکومة قطاع ارضی	ولاللحصول علی قطعة من الارض لکی تقوم فیهاحکومته
۳۲۔وانماالجهادالمحاربة مع الله	وانماالجهادالحرب فی سبیل الله(وتعبیرالکاتب سیئ جداً)

مبدأ الجهاد٣

غلط	درست
١۔من غیرمبال عن القیودالخلقیة والحدود	دون مبالاة بالقیودالخلقیة (والحدود حشوهنا)
٢۔ولایضعوه فی غمده	ولایُغمدوه (الكلام عن السیف)
٣۔وكل ذلک یجوزلكم من ظلمهم وعدولهم(كذا)	......لظلمهم لكم وعدوانهم علیكم
٤۔ولایجوزلكم الاعتداء اكثرمما اعتدا علیكم	......الاعتداء علیه ......اعتدىٰ (خطأاملائی)
٥۔ان تعتدوا من اعتدی علیكم	ان تعتدوا علیٰ من ....بمثله (الكاتب یجهل ان الاعتداء لایستعمل بدون صلة علی وفی القرآن :فمن اعتدی علیكم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیكم۔
٦۔ویجب ان تكون تلک الخطوة الا مثل خطوة العدو	ویجب ان لاتكون .... و بعد هذه الجملة ترجمة من تفسیرامین احسن اصلاحی فی مقطع من ١٢ سطرا۔وهذه الترجمة من اللغة الأردویة ركیكة ،ولاتكاد تفهم العبارة للتكرار وسوء التعبیروفیهااخطاء لغویة۔
٧۔من اراد واعدم الانحیازالی المسلمین او الی عدوهم	من كانواعلی حیاد(اومن اعتزلوا القتال)
٨۔صعب علیهم القتال محالفین الی قومهم...... اومحالفین الی المسلمین	لكونهم محالفین لقومهم ...... اومحالفین للمسلمین
٩۔الحرب ستستمرّالی ینال الغرضین المنشودین	یُنال الغرضان المنشودان
١٠۔ان یحكم دین اللّٰه الاسلام الجزیرة العربیة	ان یكون الحكم لدین اللّٰهای الاسلام فی...........
١١۔حق اخیتار دین آباء او وجهة نظررأی بالحریة ومن غیركره	حق اختیاردین آباء اوأیة وجهة نظر دون اكراه من اية جهة (وعبارة الكاتب ظاهرة الركاكة)
١٢۔عند ما تمكن المسلمون من استحكام دولة رسمیة فی یثرب	......من اقامة دولة اسلامیة وتوطیدهافی یثرب (الاستحكام یستعمل فی الارد و)

۱۳۔ولاشک ان اکراہ دینی قد ندر	......ان الاکراہ الدینی...... ﴿ھذا و"ان"اسمہ منصوب دائماًفیجب ان تکون العبارۃ ان یکون "اکراھاًدینیاً"ولکن مثل ھذا الکلام لغو ھنا۔﴾
۱٤۔ولایجوز لھم أن یحازوا احدھم	"یحازوا"لیست بعربیۃ،واصلہ من حوز: حاز یحوزحوزاًبمعنی ملک شیئاً،ویأتی منہ ویستعمل عادۃ الفعل الثلاثی المزید: انحازمع صلتہ الی بمعنی مال الی الشخص ومن ثَمّ فیجب ان تکون الجملۃ"ان ینحازواالی احدھم "او لعلہ ما أراد: ان یحابوا ﴿من المحاباۃ﴾للمعنی نفسہ فاخطأہ التعبیر۔
۱۵۔ویخالفوا الآخرویعدوھم	ویخالفوا الآخر ویعادوھم ،﴿ومرۃ اخری خان الکاتب التعبیر۔ ویعادوھم من المعاداۃ بمعنی العداوۃ لأحد، بینما"یعدو"معناہ الجری، والرکض من مصدر العدو،والمجاوزۃ والظلم ﴿من مصدر عدوان﴾
۱٦۔ثم یحاولوا التصفیۃ والمصالحۃ بینھم	التصفیۃ ھنااستعمال أُردیّ، واما العربیۃ ففیھا المصافاۃ، ومعناہ اقامۃ الأخوۃ والمودۃ۔
۱۷۔ان یحابوا ضدہ تحت حکم حکومۃ منظمۃ	ان یحاربوا......﴿خطأمطبعی﴾ تحت لواء حکومۃ منظمۃ
۱۸۔ان یخفض راسہ امام قراءِ عرضہ المصلحین	ان یحنی راسہ ......المصلحون ﴿خطأنحوی﴾۔
۱۹۔الاّ یحاز الی فریق دون فریق	ومرۃ اخری یقول "یحاز" ولاوجود لھذا اللفظ فی العربیۃ، والصواب فیہ "الاّ ینحاز"۔ وظھر باستمرار ان الکاتب ضعیف جداً فی اللغۃ العربیۃ والنحو۔

آخر میں عرض ہے کہ اوپر جو معنوی اور عبارتی اغلاط ذکر کی گئی ہیں یہ وہ اغلاط ہیں جن کا ذکر اہم تھا باقی کتنی ہی اغلاط ہم نے چھوڑ دی ہیں جو ہمارے قارئین ان اوراق پر مذکورہ ویب سائٹ پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ساحل جولائی ۲۰۰۷ء

عربی مقالات غامدی عجمیت کا شاہکار:

اس کے علاوہ مقالات میں طباعت کی بھی بہت سی غلطیاں ہیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ان دونوں مقالوں میں ان جگھوں پر نشان ضرور لگا دیے ہیں۔اتنی ساری نحوی، لغوی اور عبارتی اغلاط دیکھنے کے بعد میری طرح قارئین کے سامنے یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ مضمون نگار یا مترجم صاحب عربی میں بہت ہی کمزور ہیں، حتی کہ وہ عام سیدھے سادے سے نحوی قواعد سے بھی ناواقف ہیں اور وہ صحیح فصیح عربی میں اپنا مفہوم ادا کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ان کی تحریر میں بے شمار غیر عربی استعمالات ہیں جن کو عربی میں **عجمة** [عجمیت] کہتے ہیں۔

غامدی صاحب کے مترجم عربی افعال کے صلات سے ناواقف:

مترجم صاحب اردو محاوراتی عبارات بہت استعمال کرتے ہیں اور یہ بہت بڑا عیب ہے اور اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ وہ عربی افعال کے ''صلات'' کو نہیں جانتے اسی لیے افعال کے صلات میں بہت غلطی کرتے ہیں۔اس کے باوجود میں یہ کہنا چاہوں گا کہ عربی میں ترجمہ کرنے والے اس شخص کی زبان، اس کی نحوی و عبارتی اغلاط کے باوجود روزمرہ کی عصری زبان ہے۔بخلاف محترم غامدی صاحب کی زبان کے جو بوسیدہ وفرسودہ اور تصنع سے بھرپور ہے اور جواب ویب سائٹ پر موجود ہے۔سمجھدار قارئین محسوس کرلیں گے کہ وہ ایک بے جان عربی ہے۔

غامدی صاحب کے مترجم کی عربی اغلاط کا دفتر:

ہمیں نہیں معلوم کہ غامدی صاحب نے عربی میں لکھنا کیوں چھوڑ دیا اور ایک مترجم کا سہارا اب کیوں لیا ہے؟ جو ان کے مقالات کو عربی میں ڈھالتے ہیں شاید ان پر بعد میں منکشف ہوا ہو کہ وہ اپنی بات عربی میں صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتے۔[یہ الگ بات ہے کہ انھیں زمانہ جاہلیت کے اشعار بہت یاد ہیں] اس لیے انھوں نے اس مقصد کے لیے ایک ایسے مترجم کو رکھ لیا ہے جو سعودیہ میں چند سال گزار چکے ہیں اور کچھ مجلّات و جرائد پڑھ کر انھوں نے بعض ایسے عربی جملے بھی سیکھ لیے ہیں جن کا آج کل عربی زبان میں استعمال عام ہے۔جیسے مبدأ، بشأن، بالنسبة اور مجتمع وغیرہ، لیکن وہ عربی نحو سے نابلد ہیں اور بسا اوقات ادائیگی مطلب میں سخت غلطی کر بیٹھتے ہیں میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں اور شاید قارئین بھی اندازہ کر چکے ہوں گے کہ اس مترجم کے پاس عربی الفاظ کا ذخیرہ بہت محدود ہے اسی لیے انھوں نے ایک صفحے میں لفظ ''غرض'' کو جو اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے چھ مرتبہ استعمال کیا ہے گویا انھیں اس لفظ کے مترادفات کا علم ہی نہیں۔جیسے الغایة، المقصود، الهدف، وغیرہ وغیرہ۔اسی طرح کی مثال ان کے استعمال کیے ہوئے لفظ ''امر'' اور ''یجهدون'' کے بارے میں بھی دی جا سکتی ہے۔بہرحال غامدی صاحب نے اچھے مترجم کا انتخاب نہیں کیا۔

غامدی صاحب اپنے مترجم کی اغلاط سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے:

یہ بات درست نہ ہوگی کہ ہم تنہا ان مترجم، محمد سمیع مفتی کو ہی ہدف ملازمت بنائیں کہ انھوں نے ان دونوں مقالوں میں وہ غیر مانوس ٹوٹی پھوٹی اور غلط عربی استعمال کی جس کے مفاہیم بڑی مشکل اور الجھن کے ساتھ میں سمجھ سکا۔غامدی صاحب کا فرض تھا کہ وہ اپنے مترجم کا امتحان لیتے اور اپنے مقالات کو عربی میں ترجمہ کرانے سے پہلے اس کی قابلیت کا اطمینان کر لیتے اور جب اطمینان ہو جاتا کہ یہ مترجم اس کام کے اہل ہیں تو پھر ان سے ان مقالات کا ترجمہ کراتے۔[غامدی صاحب کے بارے میں مضمون نگار کا یہ موقف شدید حسن ظن پر مبنی ہے جو شخص عربی تذکیر و تانیث سے واقف نہ ہو اور اپنی غلط عربی کی ۲۲ سال بعد بھی تصحیح کرنے سے قاصر ہو وہ اپنے مترجم کا امتحان کیسے لے سکتا ہے۔جب کہ مترجم کی عربی غامدی صاحب کی عربی سے بہرحال بہتر ہے۔علمی ادبی اور تحقیقی اعتبار سے بدتر ہے، غامدی صاحب کے بھانجے اور جانشین ساجد حمید نے نجی نشست میں تسلیم کیا کہ غامدی

صاحب عربی لکھ اور بول نہیں سکتے لیکن سمجھتے بہت اچھی طرح ہیں، ساحل] بہرحال غامدی صاحب اس معاملے میں اپنی ذمہ داری سے قطعاً بری الذمہ نہیں قرار دیے جاسکتے۔

اپنی بات کا پھر اعادہ کرتے ہوئے عرض کروں گا کہ اس مترجم نے جو کہ عربی زبان و اسلوب سے کما حقہ واقف نہیں ہیں۔ انھوں نے غامدی صاحب کے کلام کو عربی کا کٹا پھٹا، بے ڈول لباس پہنا دیا ہے جس سے اس کی عریانی میں مزید اضافہ ہوا اور قبیح منظری بھی کھل کر سامنے آگئی۔

میرا خیال ہے کہ عجمی اسلوب اور الجھی ہوئی عبارت آرائی کے سبب عرب قارئین کم ہی ان تحریروں کو سمجھ پائیں گے، اگر انھوں نے مسلسل اغلاط کے سبب ویب سائٹ بند نہ کردی ہو اور مطبوعہ مقالات کو ردی کی ٹوکری میں نہ ڈال دیا ہو۔

غامدی صاحب کی فکری گمراہی: کوتاہ نظری: کم علمی

غامدی صاحب کا مختصر' مقالہ ''الوضع السیاسی للأمۃ الاسلامیۃ'' جو ماہنامہ ''الاشراق'' میں اردو زبان میں آج سے سترہ سال پہلے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اب کافی پرانا ہو چکا ہے جب کہ بین الاقوامی سیاسی حالات اور ان کی قلابازیوں کے ساتھ امت اسلامیہ اور دیگر اقوام عالم کے حالات بڑی حد تک بدل چکے ہیں۔ لہٰذا، علمی، فکری، سیاسی و سماجی کسی بھی اعتبار سے اس مقالے کی اب کوئی قدر و قیمت نہیں۔ معلوم نہیں غامدی صاحب نے اب اسے کس مصلحت کے تحت اور کیوں عربی میں شایع کیا ہے؟ بہرحال اس پر میرا تبصرہ اب بھی وہی ہے جو میں نے اس مقالہ پر پہلے کیا ہے کہ یہ ناپختہ سطحی افکار کا ملغوبہ ہے جو دنیا میں امت مسلمہ کے حالات اور اس کی مشکلات کے بارے میں ان کی کوتاہ نظری و کم علمی کی دلیل ہے۔

مقالہ بعنوان ''مبدأ الجھاد'' [قانونِ جہاد]

غامدی صاحب کا دوسرا طویل مقالہ جس کا عنوان ''مبدأ الجھاد'' ہے [دراصل ان کی کتاب قانونِ جہاد کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ ہے] اور ان کی ''المورد'' نامی ویب سائٹ پر ماہ اپریل میں تین اقساط میں جاری کیا گیا ہے۔ یہ بھی درحقیقت ایک پرانی اردو تحریر ہے جس کو عربی جامہ پہنایا گیا ہے۔ اس کا مقصد بہت واضح اور متعین ہے، ''اور وہ ہے'' مسلمانوں کو جہاد کے خیال سے دور کرنا اور انھیں دورِ حاضر میں اس سے متنفر کرنا۔ ان کی یہ کاری گری ایک ایسے وقت میں سامنے آئی ہے جب اسلام کے اس اہم اور بنیادی اصول پر اس کے دشمن، یہود و نصاری، ہندوؤں اور ان کے ہمنواؤں کی جانب سے پیہم شدید حملے ہو رہے ہیں، جو اسلام کو اپنی صلیبی اور صہیونی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے بدنام کرنا اور اسے ختم کرنا چاہتے ہیں، اور غامدی صاحب ان لوگوں کے ساتھ مل کر ان کا راگ الاپ جا رہے ہیں۔ موصوف کی سعی بلیغ یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو دشمنان اسلام کے مقابلے اور مزاحمت سے کسی نہ کسی طرح باز رکھیں جو وہ کفار، ہندو، یہود و نصاریٰ کی استعماری طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں مسلسل برپا کر رہے ہیں۔

لہٰذا میں بات شروع کرنے سے پہلے ہی یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ غامدی صاحب یا تو اس عظیم اصول جہاد سے بالکلیہ طور پر ناواقف ہیں یا تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں، وہی جہاد جو دنیا بھر میں اسلام کے پھیلاؤ اس کی عظمت و شوکت کا سبب بنا اور جس کی برکت و جہد و عمل کے نتیجے میں وہ اور ان کے آباؤ اجداد اور کئی پشتیں اور دوسرے علاقوں کے لوگ اسلام کی نعمتوں سے مالا مال ہوئے، جہاد کی ان کے قلم سے غلط ترجمانی بڑی افسوسناک بات ہے۔

جہاد کی غلط تشریح کا مقصد امریکہ کی حاشیہ برداری ہے:
کیا مسلمان ذلت و غلامی کی زندگی اختیار کر لیں؟

یا پھر یہ کہ وہ اس اصولِ جہاد کی قدر و قیمت اور تاریخی کردار کو جانتے بوجھتے ہوئے بھی پاکستان کی حاکم قوتوں کی

چاپلوسی کررہے ہیں اوراس طاقت کی بھی جومشہورامریکی مصنف ناعوم چومسکی [Noam Chomsky] کے مطابق سب سے بڑی دہشت گرد واحد عالمی طاقت ہے جسے خمینی مرحوم نے شیطانِ بزرگ [بڑے شیطان] کا عالمی خطاب دیا تھا۔ اور غامدی صاحب انہی لوگوں اور طاقتوں کوخوش کرنے کے لیے اس گمراہ کن اور غیر حقیقی بات کا پروپیگنڈا کررہے ہیں کہ جہاد صرف شرعی حکومت کے جھنڈے تلے جائز ہے۔ یعنی صرف ایک مسلمان حکومت وریاست ہی جہاد کونافذ العمل کرسکتی ہے۔ لیکن وہ اس بات کا جواب دینے سے پہلوتہی کرتے ہیں کہ جب کوئی حکومت اپنے فرائض وواجبات کی ادائیگی سے کوتاہی برت رہی ہو؟ یا پھر وہ نظریہ جہاد کوسرے سے تسلیم ہی نہ کرتی ہو۔ جب کہ غیرمسلم ممالک میں مسلمان اپنے حکمرانوں کے مظالم کا شکار ہوں اور یکا وتنہا ظلم وجبر کا مقابلہ کررہے ہوں، تو کیا وہاں کے مسلمان اپنے اوپر ہونے والے مظالم کے مقابلے سے پیچھے ہٹ جائیں؟ اور پھر کیا اسلامی ممالک کے مسلمان ان مظلوم مسلمانوں کوظلم وجبر کی چکی میں پستا ہوا چھوڑ دیں، اور غیرمسلم دشمن حکمرانوں کومزید آسانیاں فراہم کریں تاکہ وہ انھیں کھل کر بلاخوف وخطر قتل کریں، خواتین کی عصمتوں کو چاک کریں اوران کوختم کرنے کے درپے ہوں یا انھیں ان ممالک میں جہاں کے وہ باشندے ہیں ذلیل وخوار غلاموں کی طرح زندہ رہنے اور زندگی گزارنے دیں۔ یا دوسرے اور تیسرے یا اس سے بھی کم درجے کے شہریوں کی طرح ان سے برتاؤ کو گوارا کرلیں۔ یہ گفتگو کوئی افسانوی گفتگونہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عرصہ دراز سے اور آج بھی، فلپائن، فلسطین، کشمیر، چیچنیا، تھائی لینڈ وغیرہ کے مسلمان ظلم وجبر وبربریت کی چکی میں پس رہے ہیں اوران ظالم حکمرانوں کواکثر وبیشتر دنیا کی واحد عالمی طاقت کی معاونت وآشیر باد حاصل رہی ہے اور وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی ان حکمرانوں کے جرائم کی پردہ پوشی کرتی رہی ہے جومسلمانوں کے خلاف روا رکھے جاتے ہیں۔

دوصدیوں سے جاری جہاد کی ایمانی روایت:

یا تو غامدی صاحب قرآنی احکام وروح جہاد سے ناواقف ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے دفاعی جنگ اور دشمنوں کے ظلم وستم کے جواب میں نبرد آزما ہونے کومناسب نہیں سمجھتے یا پھر اس سے تجاہلِ عارفانہ برت رہے ہیں جو گزشتہ دوصدیوں [انیسویں اور بیسویں صدی] سے مسلمانوں کے مختلف ممالک میں جاری وساری ہے۔ یہ جہاد کسی مسلم حکومت کی زیرنگرانی نہیں ہوتا رہا ہے، خود مسلم عوام میں سے کچھ حامیٔ دینِ مبین غیرتِ ایمانی سے مسلح باہمت افراد اس کو لے کر کھڑے ہوئے تھے اور آج بھی وہ اپنے ظالم شرپسند دشمنوں سے برسرِ پیکار ہیں۔

کیا جہاد کے لیے حکومت کی شرط لازم ہے؟

ہم عنقریب غامدی صاحب کی ان باطل تاویلات کا جوانھوں نے آیات قرآنی اوراحادیث نبویہ میں کی ہیں مفصل و مدلل جواب قرآن وسنت کی روشنی میں دیں گے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ’’جہاد‘‘ اسلامی حکومت کی قیادت اور سرپرستی کے بغیر جائز نہیں اور وہ ایسے ’’جہاد‘‘ کوفساد سے تعبیر کرتے ہیں۔

لیکن اس سے قبل ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایشیا اور افریقہ میں اسلامی جہاد کی چند مثالیں اور تابندہ واقعات طرف کی اشارہ کرتے چلیں، تاکہ کوتاہ نظر غامدی صاحب اوران کے شاگردوں کی آنکھیں کھل سکیں جو اس اسلامی جہاد پر نہیں پڑسکی ہیں۔ ممکن ہے اس طرح وہ اپنی اوندھی منطق پر نظرثانی کرسکیں جو ان کے اس مقالے کی محرک ہے۔ درحقیقت یہ پست ہمت وآرام طلب اور غیرفعال فطرت کی فلسفیانہ منطق ہے۔

ہم جہاد اسلامی کے صرف چند نمونے مختصر طور پر پیش کریں گے تاکہ اپنے اصل مقصد یعنی غامدی صاحب کی غیر سنجیدہ، وبیمار فکر کی تردید میں زیادہ تاخیر کا سبب نہ ہو۔

سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد:

ان سب جہادی تحریکوں میں اولین تحریک حضرت سید احمد شہیدؒ [السید احمد بن عرفان الحسنیؒ] کی تحریک تھی جو ان سکھوں کے مقابلے میں تھی جو پنجاب اور کشمیر کے شمالی علاقوں پر قابض ہو چکے تھے اور انھوں نے شمالی علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کو جبر وتشدد کے ذریعہ دبا رکھا تھا اور ان کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ یہ انیسویں صدی کے ابتداء کی بات ہے حالانکہ اس وقت بھی سلطنت مغلیہ کے تخت پر برائے نام بادشاہ براجمان تھا۔لیکن وہ ہندوستان پر قابض سات سمندر پار سے آئے ہوئے انگریز تاجروں کے آگے بے بس و مجبور محض تھا جس کی حکومت کا حدودِ اربعہ لال قلعے کی چار دیواری تک محدود اور تخت نشین تھا اور وہ بس اتنی سی بات پر راضی بہ رضا تھا کہ خطبۂ جمعہ میں اس کا نام لیا جائے۔ان حالات میں وہ بھلا مسلمانان سرحد کی چیخ و پکار کا کیا مثبت جواب دیتا؟ ان تمام حالات کو بچشم عبرت دیکھنے کے بعد ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے بالآخر ایک مرد مجاہد اٹھ کھڑا ہوا جو عامۃ الناس میں سے تھا مگر علم و تصوف کے ایک معروف و ممتاز گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور یہ مردِ مجاہد سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ انھوں نے شہر رائے بریلی سے اپنی تحریکِ کا آغاز کیا اور مجاہدین کی جماعتوں کی قیادت کی۔سندھ، بلوچستان اور افغانستان سے ہزاروں میل کا دشوار ترین سفر کرنے کے بعد سرحد پہنچے تاکہ شمالی علاقوں میں مقہور و مظلوم مسلمانوں کی مدد کریں اور انھیں سکھوں کے استبدادی پنجہ سے آزاد کرائیں۔ان کی یہ جہادی تحریک ۱۸۲۶ء سے ۱۸۳۱ء کے درمیان جاری رہی، اور اس دوران انھوں نے اس علاقے اور اس کے دارالحکومت پشاور کو سکھوں کی عملداری سے آزاد کرالیا۔اور وہاں اسلامی حکومت کا نظام قائم کر کے شریعتِ الٰہیہ نافذ فرمادی۔لیکن وہ اور ان کے سیکڑوں رفقاء و مجاہدین معرکہ بالاکوٹ کے دوران پشاور کے مقامی حکمران کی غداری کے نتیجے میں شہید ہو گئے۔علماء ہند و عرب میں سے کسی نے بھی اس تحریکِ جہاد کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا اور نہ ہی اس جہاد کو شریعت اسلامی کے خلاف قرار دیا۔اور خلافِ شریعت بھی کیسے قرار دیا جاتا؟ جب کہ ان کے ساتھ اس جہاد میں شاہ ولی اللہ کے مکتب فکر کے بعض ممتاز جید علمائے کرام، مثلاً مولانا اسماعیل شہید، مولانا عبدالحئی دہلوی وغیرہ بنفس نفیس شریک جہاد تھے اور سید احمد شہیدؒ ان سب کے ''امیر'' تھے۔

امام شاملؒ کی تحریک جہاد: ریاست کے بغیر جہاد

دوسری مشہور تحریک جہاد جو انیسویں صدی کے نصف اول میں شروع ہوئی یہ وہ تحریک ہے جو شیخ شامل نقشبندیؒ نے داغستان اور قفقاز کے پہاڑوں میں روس کے خلاف ۱۸۳۴ء تا ۱۸۵۹ء کے درمیان برپا کر رکھی تھی اور اس جہاد کے دوران میں شیخ شاملؒ نے روسی شہنشاہیت کی فوجوں کو کئی معرکوں میں شکست دی اور داغستان میں اسلامی حکومت قائم کر کے اس میں شریعت اسلامی کا نفاذ کیا۔شیشان [چیچنیا] میں روس کے خلاف ہمارے زمانے میں ہونے والا جہاد شیخ شاملؒ کے جہاد ہی کا ثمرہ تھا اور جو آج تک وہاں کے رہنے والوں پر روسی جبر و جارحیت اور دارالحکومت گروزنی کی تباہی کے خلاف جاری ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ زار روس نے امام شیخ شاملؒ کی گرفتاری کے بعد ان کی جرأت و بہادری کا اعتراف اور اکرام کیا اس اعتراف کی عملی صورت یہ تھی کہ شیخ کو ایک تلوار پیش کی۔بعدازاں شیخ شاملؒ مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے جہاں ۱۸۷۱ء میں وفات پا گئے۔

الجزائر میں امیر عبدالقادر کی تحریک جہاد: ریاست کے بغیر

تیسری جہادی تحریک امیر عبدالقادر الجزائری نے الجزائر کے شہر وہران میں شروع کی۔کیونکہ فرانس نے ۱۸۳۰ء میں الجزائر پر قبضہ کرلیا تھا۔شمالی افریقہ میں یہ پہلا خطہ تھا جہاں یورپی استعمار نے قبضہ کیا۔اس تحریک کے مقابلے میں وہاں کے

حکمران ''دایے'' کوشکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ چنانچہ وہاں ۱۸۳۲ء میں دینی وعلمی گھرانے سے تعلق رکھنے والے شیخ عبدالقادر جزائری حسنی نے علم جہاد بلند کیا، وہاں کے لوگوں نے شیخ کے دستِ حق پرست پر بیعتِ جہاد کی تاکہ وہ فرانسیسی افواج کے مقابلے میں تحریک جہاد کی قیادت کریں۔ انھوں نے اپنی قیادت میں وھران کے دور دراز اور مضافاتی علاقوں پر قبضہ کرلیا جس کا اعتراف فرانسیسیوں نے بھی کیا لیکن شیخ عبدالقادر فرانس کی لاتعداد افواج کا زیادہ عرصہ مقابلہ نہیں کرسکے اور آخر کار شکست سے دوچار ہو کر۔ دمشق ہجرت کرگئے جہاں ۱۸۸۳ء میں ان کی وفات ہوئی۔

سید شریف سنوسیؒ کی تحریک جہاد ریاست کے بغیر:

چوتھی جہادی تحریک لیبیا میں سید احمد شریف سنوسیؒ کی تحریک تھی جو خود علم وتصوف کے ممتاز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور جنھوں نے اطالوی استعمار کے خلاف جہاد میں ۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۵ء کے دوران مسلمانوں کی قیادت کی، ان کے ساتھ اس جہاد میں مشہور مجاہد اسلام شہید عمر مختارؒ بھی شریک تھے جنھیں اطالوی افواج نے گرفتاری کے بعد پھانسی دے کر شہید کردیا۔

سید احمد شریف سنوسی نے لیبیا کے مشرق میں خونریز لڑائیوں کے بعد صوبۂ برقہ کے علاقے پر قبضہ کرلیا تھا اور پھر اس علاقے پر ان کی حکومت کو غاصبِ اطالوی حکمرانوں نے بھی تسلیم کیا جو طرابلس الغرب اور بن غازی اور دوسرے غربی و وسطی علاقوں پر قابض تھے۔ پہلی جنگِ عظیم شروع ہونے کے بعد سید احمد شریف نے انگریزوں سے مصری حدود میں بھی جنگیں لڑیں جو پہلی جنگ عظیم شروع ہوتے ہی عملاً مصر پر قابض ہوگئے تھے لیکن جب سید احمد شریف کے چچازاد بھائی محمد ادریس نے انگریزوں سے مصالحت کرلی تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا کہ وہ ترکی کوچ کرجائیں۔ پھر وہاں سے وہ مدینہ منورہ چلے گئے وہیں مقیم رہے اور ۱۹۲۵ء میں وہیں وفات پائی۔

ریاست کے بغیر عبدالکریم ریف کی پانچویں تحریک جہاد:

پانچویں تحریک جہاد عبدالکریم ریفی کی تحریک تھی جو مراکش کے دور دراز پہاڑی علاقے ''ریف'' میں ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۶ء کے درمیان اسپین کے مقابلے میں جارہی ہی۔ اسپین کے استعمار نے مغرب عربی [مراکش] کے ساحلی علاقوں طنجہ اور سبتہ پر اپنا تسلط واقتدار قائم کرلیا تھا۔ اسی طرح ریف وغیرہ پر بھی قابض ہوگئے تھے۔ مراکش کے حکمراں مولای یوسف نے اپنے دارالحکومت فاس میں ان کے آگے سرِ تسلیم خم کرلیا تھا۔

ریاست کے بغیر عبدالکریم ریف کی تحریک جہاد:

امیر عبدالکریم جن کا پورا نام محمد بن عبدالکریم ریفی ہے نسلاً بربر تھے، ایک علمی ودینی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور انھوں میڈرڈ میں بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ ریف کے ساحلی شہر ملیلہ میں اسپینی حکمراں کی طرف سے وہ قاضی [جج] تھے لیکن اسپینی حکمرانوں کی مسلمانوں کے ساتھ بدمعاملگی اور حقارت آمیز سلوک کے باعث انھوں نے اپنے عہدے سے استعفاء دے دیا اور اندرون ریف جاکر کوہستان ریف کے چند بربری قبائل کو جو اسپین سے تحالف کرنے والوں کے خلاف حملہ کررہے تھے ان سے مل کر انھیں تحریک جہاد میں منظّم کیا ان لوگوں نے ان کے ہاتھ پر امارت کی بیعت کرلی۔ اس کے بعد ریف میں مجاہدین نے اسپانیوں کا محاصرہ کرلیا اور ان کی تقریباً ۱۴۰ پناگاہوں اور زیرزمین ٹھکانوں کو گھیرے میں لے لیا اور قریب قریب ۵۷۰ اسپینی افسروں کو گرفتار کرلیا۔ اسپینی فوجوں نے ریف چھوڑ دیا اور مجاہدین نے بڑے اہم دفاعی مقامات اور سیکڑوں توپوں ہزاروں بندوقوں پر قبضہ کرلیا اور ڈیڑھ لاکھ اسپینی افواج کو شکست دی جب کہ امیر عبدالکریم کے مجاہدین کی تعداد تیس ہزار سے زائد نہ تھی۔

امیر عبدالکریم کی عسکری حکمت عملی نے اسپینی افواج کے دل میں ایسا رعب بٹھایا کہ فرانسیسی استعماری جو الجزائر پر

قابض تھے اسپین کے خلاف مجاہدین کی اتنی بڑی کامیابی کو دیکھ کر اپنے مستقبل کے بارے میں خوفزدہ ہوگئے۔ چنانچہ انھوں نے اسپین سے فوجی معاہدہ کرنے کے بعد مجاہدین کے خلاف دو لاکھ سے زیادہ متحدہ افواج کے ساتھ مل کر حملہ کر دیا۔ امیر عبدالکریم اتنی بڑی منظم تربیت یافتہ فوج کا اپنی غیر منظم غیر تربیت یافتہ چھوٹی سی فوج کے ساتھ مقابلہ نہ کر سکے جس کے نتیجہ میں ان کی مزاحمت ٹوٹ گئی۔ لیکن انھوں نے مغرب عربی میں جہاد کا علم بلند کر کے وہاں کے عوام میں بیداری کی جو روح پھونکی اس کے بہتر اور دور رس نتائج سامنے آئے کہ بعد میں سلطان محمد الخامس شاہ مراکش نے عوام الناس کے ساتھ مل کر محدود و محتاط انداز میں اس جذبۂ حریت کو ابھارنے میں فرانسیسی اور ہسپانوی استعمار کے خلاف خود بھی عملی حصہ لیا۔ اسی کی پاداش میں سلطان کو کئی سال میں اسپین میں قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ بالآخر ۱۹۵۹ء میں ان کی رہائی کے ساتھ ساتھ مراکش کو بھی آزادی نصیب ہوئی۔

کیا پانچوں جہادی تحریکیں غیر شرعی تھیں؟

یہ پانچ بڑی جہادی تحریکیں تھیں جو گزشتہ دو صدیوں میں اسلامی ممالک میں برپا ہوئیں۔ جنھیں عام مسلمانوں میں سے اہل ایمان صلحاء و علماء لے کر اٹھے اور انھوں نے کفر کی طاغوتی طاقتوں کو للکارا۔ یورپی استعمار کا مقابلہ کیا۔ اس جہاد کے دوران انھوں نے جس استقامت، جرأت، بہادری، سرفروشی و جاں نثاری کی مثالیں قائم کیں وہ آج تک مشعل راہ ثابت ہو رہی ہیں۔

ان تحریکات میں دشمنان اسلام کے خلاف، بے سروسامان مجاہدین کی کسی اسلامی ملک کی حکومت نے عملی تو چھوڑیے دامے، درمے، سخنے مدد کرنے میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا۔ تو کیا یہ تمام جہادی تحریکیں اسلامی نقطۂ نگاہ سے غیر شرعی تھیں۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ آج تک کسی بھی صاحب بصیرت عالم دین اور مسلمان سیاسی مفکر و رہنما نے انھیں ناجائز نہیں کیا۔ البتہ وہ غامدی صاحب کے باطل، جھوٹے اور مخالف جمہور نظریہ کے مطابق ناجائز تھیں۔

جاوید غامدی اور مرزا غلام احمد قادیانی میں مماثلت:

غامدی صاحب کا یہ کہنا کہ ''جہاد بغیر حکومت و طاقت کے یقیناً فساد ہے'' سوائے ہرزہ سرائی اور نکتہ چینی کے کچھ بھی نہیں۔ یاد رہے کہ یہی تو مرزا غلام احمد قادیانی کا بھی نظریہ تھا۔ وہ بھی جہاد کے خلاف تھے۔ اسی لیے انگریز ان سے بے حد خوش اور اس کے ہر طرح مالی و سیاسی مددگار تھے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان میں چار تحریکیں ایسی تھیں جن کے قائدین کرام علم و تصوف کے گھرانوں سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ باعمل و باکردار تھے۔ [۱] سید احمد شہید کا جہاد ہندوستان میں [موجودہ پاکستان] [۲] شیخ شامل نقشبندی کا جہادِ داغستان [۳] امیر عبدالقادر الجزائری کا جہاد الجزائر [۴] احمد شریف سنوسی کا جہاد لیبیا میں۔ بڑی افسوس ناک، تعجب خیز بات یہ ہے کہ غامدی صاحب کی کم نگاہی، بے بصری اور غیر عالمانہ فلسفہ کے مطابق ''تصوف اسلام کے مقابلے میں ایک متوازی تحریک ہے'' گویا تصوف کا اسلام کے ساتھ اور اسلام کا تصوف کے ساتھ کوئی رشتہ کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ نظریہ انھوں نے اپنی کئی اردو تحریروں میں پیش کیا ہے۔

آیاتِ جہاد اور احادیث نبوی کی باطل تاویلات اور ان کی تردید:

ریاست کے بغیر عالم اسلام کی پانچ جہادی تحریکیں:

غامدی صاحب قرآنِ کریم کی سورۂ حج کی آیت ۲۹ ''اذن للذین یقتلون بانھم ظُلموا.........'' پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

'' آیات جہاد میں حکام اور سلاطین کو خطاب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدود و تعزیرات کی آیات میں بھی انہی کو خطاب

کیا ہے'۔[ص۴]

حکومت کے بغیر جہادی تحریکیں علماء وصوفیاء ومجاہدین نے برپا کیں:

جہاد کی ان صورتوں کے پیش نظر جو مختلف اسلامی علاقوں میں پیش آئیں اور جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا، غامدی صاحب کا مذکورہ قول لغو اور محض ہرزہ سرائی ہے۔ جن جہادی تحریکوں کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے انھیں وقت کے جلیل القدر علماء ربانیین اور عام مسلمانوں نے برپا کیا تھا۔ ان میں کوئی حکمراں وسلاطین شامل نہ تھے۔ بلکہ حکمراں تو اپنے محلات اور قلعوں میں آرام سے بیٹھے رہے جیسے ہندوستان میں مغل بادشاہ، سید احمد شہید کے دور جہاد میں، اور مراکش کے بادشاہ مولائی یوسف ''فاس'' میں امیر عبدالکریم کے دورِ جہاد میں، اور اسی طرح داغستان، الجزائر اور لیبیا کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے۔

کامیاب جہادی تحریکوں نے شرعی ریاستیں قائم کیں:

ہم پھر زور دے کر کہتے ہیں کہ ان تمام علاقوں میں جہادی تحاریک کو عام مسلمانوں نے قائم کیا جو کہیں حکمراں نہ تھے۔ ہاں انھوں نے اپنے اپنے جہاد کی کامیابی کے بعد مفتوحہ علاقوں میں یعنی ان علاقوں میں جہاں سے انھوں نے ظالم و جابر غاصب سکھوں، روسیوں، فرانسیسیوں، اطالوی اور اسپینی لوگوں کو نکالا تھا وہاں اسلامی شرعی حکومتیں قائم کیں اور امن وامان کی فضا قائم کی۔

جہاد کشمیر وفلسطین پر تیغ زنی: غامدی صاحب کا اصل ہدف

غامدی صاحب نے اپنے اس فاسد اصول [یعنی بغیر حکمراں اور حکومت کے جہاد کا عدم جواز] اس لیے اختیار کیا ہے کہ وہ کشمیر میں جاری جہاد کے غیر مشروع ہونے کا حکم صادر کریں کیونکہ وہ اس جہاد کی مخالفت کے حوالے سے معروف ہیں۔ اسی طرح فلسطین کے جہاد کو غیر شرعی قرار دینا جو حکومتِ اسرائیل کے خلاف جاری ہے۔ غامدی صاحب کا یہ فتویٰ یا نظریہ مظلوم کشمیری اور فلسطینی مظلوم عوام کے خلاف ایک مجرمانہ فعل اور ظالموں، غاصبوں کی ایک طرح سے حمایت اور حوصلہ افزائی ہے۔

آیات قتال میں جہاد ریاست اور حکمرانوں سے مشروط نہیں:

جہاد کے لیے ہجرت کی شرط بھی نہیں ہجرت مدینہ علت جہاد نہیں:

ظلم کے خلاف قرآن نے جہاد کی اجازت مظلوموں کو دی ہے:

پھر غامدی صاحب خود کو بچاتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ظلم اور سرکشی کو دور کرنے کے لیے قتال [جنگ] جائز ہے وغیرہ تو کیا روسی چیچنیا میں، ہندی افواج کشمیر میں اور یہودی مقبوضہ فلسطین میں بدترین مظالم نہیں کر رہے ہیں؟ حماس کے سرفروشانہ جہاد کے سبب اسرائیل تنظیم آزادی فلسطین [PLO] سے گفت وشنید پر مجبور ہوا تھا اور ایک لنگڑی لولی حکومت [ریاست] Palestine Athority کا قیام عمل میں آیا، اس کو بھی اسرائیل اور امریکہ نے چلنے نہیں دیا۔ بہرحال کشمکش کسی نہ کسی طور کسی نہ کسی شکل میں آج بھی جاری ہے۔ علاوہ ازیں قتال کی اجازت کی آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ ''جس پر ظلم ہوا سے حق حاصل ہے کہ وہ اس پر ظلم کرنے والے سے لڑے''۔

> اللہ تعالیٰ نے یہ کبھی نہیں کہا کہ یہ حکم [اذن] حکام اور سلاطین کے لیے ہے کہ وہ ظلم کو دور کرنے کے لیے قتال کریں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ''بانهم ظلموا'' [یہ اجازت اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا]۔
>
> غامدی صاحب نے الذین اخرجوا من دیار هم ...... الاية

''جنھیں ناحق ان علاقوں سے نکالا گیا صرف اس لیے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے'۔........... سے استنباط کیا

ہے کہ ظالم اور سرکش کے خلاف لڑنا جائز نہیں ہے۔ سوائے یہ کہ مظلومین پہلے اپنی حکومت سے کہیں۔ ان کا یہ استدلال قرآن کریم کے الفاظ ''بانھم ظلموا'' میں موجود صریح اجازت کی علت کو باطل قرار دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا بعد والے الفاظ میں یہ فرمانا:

''الـذیـن اخرجوا من دیارھم'' [الایۃ] یہ تو اس ظلم کے وصف کا بیان ہے جو مسلمانوں پر مکہ میں ہوا اور جس کی وجہ سے مسلمانوں نے یثرب کی جانب ہجرت کی۔ ہجرت مسلمانوں کو حکم جہاد ملنے کی علت نہیں ہے۔ اس طرح کا استنباط غامدی صاحب کے فکری افلاس کی واضح دلیل ہے۔

غامدی صاحب کے غلط استنباط کے نتائج:

کیونکہ غامدی صاحب کے استنباط کے مطابق یہ معنی نکلتے ہیں کہ:

جب مسلمانوں کے دشمن ان کے علاقوں میں گھس آئیں ملک پر قبضہ کرلیں اور اسے اپنی کالونی و جاگیر قرار دیں، لوگوں کو غلام بنالیں تو تب بھی ان مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے دفاع اور دشمن کے مقابلے کے لیے کھڑے نہ ہوں اور ایسا صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جو عقل سے بے بہرہ ہو یا جو غلامی اور ذلت و رسوائی کی زندگی پر راضی ہو۔ [غامدی صاحب نے اس فلسفہ کی تشریح اپنی اردو تحریروں میں اس طرح پیش کی ہے کہ ''جہاد کا پہلا مرحلہ دعوت، گروہ اسلامی کا قیام، ہجرت، قیام حکومت، اور یہ شرط استطاعت جہاد ہے اس کے بغیر مسلمان جہاد کے مکلّف ہی نہیں اور اقدامی جہاد کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے پاس کفار کی طاقت کا نصف لازمی ہو ورنہ جہاد نہیں ہوگا، فساد ہوگا ساحل] پھر وہ قرآن کے بتائے ہوئے اس اسلامی اصول کے مخالف بھی ہیں کہ:

جہاد کے لیے مسلمانوں کی منظّم جماعت اور مناسب قوت ہونا کافی ہے:

''عزت تو اللہ اس کے رسول اور ایمان والوں کے لیے ہی ہے''۔ [سورۃ المنافقون آیت ۸]

حالانکہ جہاد کے قیام کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ مسلمان خود کو منظّم کر کے ایک بڑی جماعت بنالیں جس کی کوئی حیثیت بھی ہو اور جہاد اور اسلحے کی حسبِ استطاعت قوت حاصل کرلیں۔ ایک اہل اور مخلص شخص کو اپنا امیر منتخب کرلیں اور ان کی نیت دشمن کے مقابلے، یعنی غاصب اور سرکش کو اپنے علاقے سے نکالنے کی ہو اور پھر وہ اپنے دشمن سے اس یقین کے ساتھ جنگ کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد و نصرت پر قادر ہے۔

یہ ہے وہ اصول جو ان بے شمار جہادی تحریکوں میں کارفرما رہا ہے جن کا کچھ تذکرہ ہم نے پچھلے صفحات میں کیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی بھرپور نصرت فرمائی۔

السید سابق کی عبارت میں غامدی صاحب کی تحریفات:

ادھوری عبارت نقل کر کے دھوکہ دیا گیا:

اس جگہ غامدی صاحب نے سید سابق مرحوم کی ایک ادھوری عبارت نقل کر کے قارئین کے ساتھ ایک دھوکہ کیا ہے۔ سید سابق مرحوم ایک جلیل القدر مصری عالم تھے۔ میری ان سے پہلی ملاقات مکہ مکرمہ میں ۱۹۵۱ء میں ہوئی تھی۔ اس وقت وہ وہاں مصری مرکز ثقافت کے ڈائریکٹر تھے۔ اور میں پہلے حرم شریف کا طالب علم تھا اور پھر المعہد السعودی مکہ المکرّمہ میں ۵۲۔۱۹۵۱ء کے دوران میں پڑھتا رہا۔ میری دوسری ملاقات سید سابق مرحوم سے اس وقت ہوئی جب میں کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرنے کے بعد ۱۹۶۳ء میں ریاض یونیورسٹی آیا۔ پھر دوسرے سال مکہ مکرمہ کے کلیۃ التربیۃ اور کلیۃ الشریعۃ میں اسلامی تاریخ و تمدن کا استاد مقرر کیا گیا۔ اس وقت سید سابق مرحوم کلیۃ الشریعۃ میں استاد تھے اور سعودی شہریت حاصل کر چکے تھے۔

غامدی صاحب نے جو فراڈ کیا وہ مولف کی تحریر کا سیاق کے بغیر ایک ادھورا اقتباس ہے: ''تیسری قسم فروض کفایہ

کے بیان میں جن میں حاکم کی شرط ہوتی ہے۔ مثلاً جہاد اور اقامت حدود، کیونکہ یہ صرف حاکم کا حق ہیں کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی اور پر حد جاری کرے''۔ غامدی صاحب نے حوالہ دیا ہے۔ ج ۳، ص ۱۰ کا۔ صحیح حوالہ یہ ہے ۲/۶۲۱ مطبوع دار الکتاب العربی، بیروت۔ طبع پنجم، ۱۴۰۳/۱۹۸۳ء] ہوسکتا ہے کہ غامدی صاحب کے پاس کسی اور ایڈیشن کا نسخہ ہو، تو علمی منہج کے مطابق اس کا ذکر کرنا ضروری تھا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ سید سابقؒ کی یہ گفتگو ایک ذیلی عنوان ''الجہاد فرض کفایہ'' پر حاشیہ ۲ کے تحت ہے۔ انھوں نے اس کے ذیل میں فرض کفایہ کی چار اقسام کا ذکر کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاد بہت سے اوقات میں فرض کفایہ ہے لیکن وہ بعض حالات میں فرض عین بھی ہو جاتا ہے۔ اس لیے سید سابق مرحوم نے اگلے صفحے پر باقاعدہ ایک ذیلی عنوان ''متی یکون الجہاد فرض عین'' [جہاد کب فرض عین ہو جاتا ہے] قائم کیا ہے۔ [۳/۶۲۲]

السید سابق نے جہاد کو حدود سے الگ رکھا ہے:

جہاد کو صرف حاکموں کا حق سید نے قرار نہیں دیا:

فی الحال ہم اسے چھوڑ کر صرف اسی اقتباس پر بات کرتے ہیں جو غامدی صاحب نے سید مرحوم کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ اس کے آخر میں لکھا ہے کہ **فان هذه من الحاكم و ليس لأى فرد أن يقيم الحدود على عنبره** [ترجمہ گزر چکا ہے] اس جملے میں خط کشیدہ لفظ [هذه] کی [اسم اشارہ مونث] کی ضمیر بلاشک لفظ ''حدود'' کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس بات کی تاکید اس کے بعد آنے والے جملے سے ہو جاتی ہے۔ ''**وليس لاىّ فرد ان يقيم الحد على غيره**'' [کہ کسی فرد کو حق نہیں کہ وہ دوسرے پر ''حد'' جاری کرے]۔ اور یہ وہ بات ہے جس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ اس طرح اس جملہ کا لفظ ''جہاد'' سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر مولف جہاد کو بھی اس جملے میں شامل کرنا چاہتے [جیسا کہ غامدی صاحب کا مقصد ہے] تو وہ [سید سابقؒ] یہ کہتے۔

''**فانهما من حق الحاكم وحده**'' ترجمہ [یہ دونوں صرف حاکم کا حق ہیں]

غامدی صاحب نے جہاد کے فرض کفایہ ہونے پر سکوت کیوں اختیار کیا؟

سید سابق مرحوم نے ''الجہاد فرض کفایہ'' کے عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے وہ تمام مسلمانوں کے ہاں جانی پہچانی باتیں ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔:

''جب جہاد کو بعض لوگ قائم کریں اور اس کے نتیجے میں دشمن شکست کھا جائے تو جہاد کا حکم باقی لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے'' لیکن غامدی صاحب نے یہاں یہ نہیں بتایا کہ اگر جہاد کے لیے کوئی بھی کھڑا نہ ہو تو باقی تمام لوگ گناہگار رہوں گے۔ یہ بات کتب فقہ میں فرض کفایہ کی تعریف میں بہت معروف ہے۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ مولف [سید سابق مرحوم] نے اس ذیلی عنوان کے تحت جہاد کی ترغیب اور اس کی فضیلت میں جو آیات قرآنی واحادیث طیبہ کا ذکر کیا ہے انھیں غامدی صاحب نے ذکر نہیں کیا۔ ان میں اکثر آیات وہ ہیں جو سورہ نساء میں جہاد سے جی چرانے والوں کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ کُنۡتُمۡ قَالُوۡا کُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَکُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِیۡهَا فَاُولٰٓئِکَ مَاۡوٰهُمۡ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا[4:97] اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الۡوِلۡدَانِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ حِیۡلَةً وَّ لَا یَهۡتَدُوۡنَ سَبِیۡلًا[4:98]

ترجمہ: وہ لوگ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ لوگ اپنا برا کر رہے تھے۔ فرشتے ان سے کہتے

ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم بے بس تھے اس ملک میں۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی جو تم وطن چھوڑ کر وہاں چلے جاتے۔ سو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ مگر جو بے بس ہیں مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے اور کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ کہیں کا راستہ جانتے ہیں تو ایسوں کے لیے امید ہے کہ اللہ انھیں معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ [النساء: ۹۷۔۹۸]

یہ آیات ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جو صاحب استطاعت تھے پھر بھی مکہ مکرمہ میں ہی رہ گئے تھے اور انھوں نے اپنے امن وسلامتی کو ترجیح دیتے ہوئے مدینہ ہجرت نہیں کی تھی۔

باوجود اس کے کہ جہاد فرض کفایہ ہے لیکن فرشتوں کی زبان سے نکلنے والے ان تہدیدی الفاظ پر غور کرنا چاہیے جو انھوں نے ان لوگوں سے کہے جو مدینہ ہجرت کرنے سے رک گئے تھے۔ ہجرت کرتے تو مسلمانوں کے ساتھ اہل مکہ کے خلاف جہاد میں ان کے مددگار ہوتے اور ان کے جہاد سے پرے بیٹھے رہنے پر ان کے دردناک ٹھکانے پر غور کرنا چاہیے۔

دشمن حملہ کرے تو دفاع کے لیے حاکم کا وجود شرط نہیں:

سید سابق کا اصل استدلال کیا ہے؟

پھر کیا غامدی صاحب نے سید سابق مرحوم کا وہ ذیلی عنوان نہیں پڑھا جو یہ ہے ''جہاد فرض عین کب ہوتا ہے''۔ نمبر۲ کے تحت انھوں نے لکھا ہے کہ:

> ''جب دشمن اس جگہ یا اس شہر میں آموجود ہو جہاں مسلمان مقیم ہیں تو تمام اہل شہر پر واجب ہے کہ وہ اس دشمن سے لڑنے کے لیے نکلیں اور کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ جہاد کے بجائے اپنے کسی دوسرے ضروری کام کے لیے فارغ رہے''۔

خیال رہے کہ اس حالت میں کسی حاکم کا وجود شرط نہیں ہے نہ ہی سید سابقؒ نے یہ شرط لگائی اور نہ ہی کسی اور نے یہ قول نقل کیا ہے۔

غامدی صاحب نے جہاد کی تردید کے لیے السید سابق کی تحریر میں تحریف فرمائی:

حقیقت یہ ہے کہ غامدی صاحب نے سید سابق مرحوم کی ادھوری عبارت اور اس کی غلط تعبیر اپنی غرض وغایت پوری کرنے کے لیے پیش کی ہے اور وہ ہے کشمیر میں ہونے والے جہاد کو غلط قرار دینا جو ہندوستانی قبضے کے خلاف چند سال سے جاری ہے جہاں ہندی افواج غاصبانہ قبضہ کر کے بے گناہ مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا رہی ہیں اور مسلمانوں کی جان ومال عزت و عصمتوں کو پامال کر رہی ہیں۔

غامدی صاحب کی اردو تحریروں میں یہ بات معروف ہے کہ وہ اس جہاد کے مخالف ہیں اور اسی طرح وہ فلسطین میں غاصب یہودیوں کے قبضے سے فلسطین اور بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لیے قائم کردہ جہاد کے بھی مخالف ہیں۔ اگر وہ یہ بات کسی عربی شہر میں کہتے تو وہاں کے مسلمان باشندے ان کے منہ پر تھوک دیتے۔

بغیر حکومت اور سیاسی اقدار کے جہاد کو فساد قرار دینے کا فلسفہ:

انشاء اللہ جہاد قیامت تک جاری وساری رہے گا:

صاحب ایمان منصف مزاج قارئین کرام ان کے ارشادات اور ان کے نشانے پر ذرا غور کریں کہ بغیر حکومت اور

سیاسی اقتدار کے کیا جانے والا جہاد فساد ہوتا ہے۔ان کے اس ارشاد کا نشانہ اور منتہی یہ ہے کہ جو مسلمان غاصب روس کے خلاف چیچنیا میں لڑ رہے ہیں مورو کے مسلمان جو فلپائن کے صلیبی حکمرانوں سے لڑ رہے ہیں اور ان کی سرکشی اور زیادتی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور مقابلہ کر رہے ہیں۔کشمیر میں جو مجاہدین ہندوؤں کے ظلم و استبداد سے رہائی کے لیے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور آخر میں تحریک حماس جو فلسطین میں یہود سے پنجہ آزما ہیں اپنے حقوق اور اپنی زمین کا دفاع کر رہے ہیں وہ سب ان کے نزدیک فسادی ہیں۔اللہ تعالیٰ غامدی صاحب کی ان مفسدانہ تحریروں اور ان کے مکروہ اقوال کو نیست و نابود اور نقش بر آب بنا دے۔وہ جو چاہیں لکھیں، جو چاہیں کہیں، مگر ''جہاد'' [اور وہ بھی وہ جہاد'' جس میں بحکم الٰہی قتال فرض ہے] اللہ کے حکم سے قیامت تک جاری رہے گا۔

غامدی صاحب نے اپنے قارئین کو وہاں بھی گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے جہاں انھوں نے اپنی فکر کے اثبات میں ''الامر بالقتال'' کے عنوان کے ذیل میں درج آیت کا ذکر کیا ہے:

''وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولاتعتدوا [سورۃ البقرہ آیت ۱۹۰/۱۹۴]

ترجمہ: اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو۔

یہ آیات جیسا کہ ظاہر ہے کہ دشمنوں پر بھی زیادتی نہ کرنے اور ان کے ساتھ برابری کا معاملہ کرنے کے بیان میں ہیں۔والحرمات قصاص۔

غامدی صاحب نے البقرہ کی آیات جہاد کو سورہ حج سے ملا کر احکام جہاد میں تحریف کی:

سیاق غامدی غلط ہے جہاد کا حکم پہلے آیا حج کا حکم بعد میں آیا ہے:

لیکن جہاد کے حکم کے لیے بلکہ بہتر الفاظ میں ''جہاد کی فرضیت'' سے متعلق آیت جیسا کہ خود سید سابقؒ نے کہا ہے یہ ہے۔:کُتب، علیکم القتال وهو کُره'' لکم وعسیٰ أن تکرهوا شیئاً وهو خیر'' لکم وعسیٰ ان تحبّو اشیئاً وهو شرّلکم والله یعلم وأنتم لا تعلمون [البقرۃ، آیت ۲۱۶] ترجمہ:تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔اس بارے میں کوئی دو افراد بھی اختلاف نہیں کرتے ،قرآن کریم میں لفظ'' کتب'' وجوب اور فرضیت'' کے لیے آیا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت:

''یاایّھاالذین آمنو اکتب علیکم الصیام'' میں ہے۔

غامدی صاحب کا جھوٹ کہ جہاد کا حکم حج کو ممکن بنانے کے لیے دیا گیا:

دینی احکام سے ناواقفیت مگر دعوے بہت بڑے بڑے:

اس آیت کی روشنی میں غامدی صاحب کا وہ قول باطل ہوجاتا ہے جو انھوں نے سورۂ بقرہ کی آیات [۱۹۰ تا ۱۹۴] پیش کر کے کہا ہے کہ:

''قرآن کریم میں جہاد کا حکم، اصولی طور پر انہی آیات میں نازل ہوا ہے پھر انھوں نے حکم جہاد کو آیت حج سے ملا دیا ہے اور کہا کہ سورۂ بقرہ کی آیاتِ قتال کا سیاق کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کو جب یہ بتایا گیا کہ بیت اللہ الحرام کا حج ان پر فرض کیا گیا ہے۔تو لازمی ٹھہرا کہ انھیں یہ بھی بتایا جائے کہ اگر قریش ان کا راستہ روکیں اور مکہ میں داخل ہونے سے منع کریں تو انھیں اس صورت میں کیا کرنا چاہیے۔چنانچہ قرآنِ کریم نے انھیں حکم دیا کہ ایسی حالت میں انھیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی اس مشکل کا حل

تلوار سے حل کریں۔ یہ ہے سیاق''۔ سیاق کا یہ دعویٰ ایک مغالطہ آفرینی ہے کیونکہ جہاد کا حکم تو پہلے ہے اور حج کا حکم بعد میں آیت ۱۹۶ میں ہے۔

آیات حج چھ ہجری میں نازل ہوئیں آیات جہاد بہت پہلے:

۲، ۳، ۵ ہجری میں بدر احد اور احزاب کے غزوات ہو چکے تھے:

حج کی فرضیت کا حکم ۹ یا ۱۰ ہجری میں نازل ہوا:

ان صاحب پر تعجب ہوتا ہے جو قرآن فہمی کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں اور اس بات سے بے خبر ہیں کہ جہاد بمعنی قتال ۲ھ میں فرض ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے اسی حکم کو بجالانے کے لیے، جنگ بدر، احد اور احزاب وغیرہ جیسے اہم غزوات رونما ہوئے [جو ۲، ۳، ۵ ہجری میں ہوئے] اور حج کی فرضیت کی آیات، جمہور قول کے مطابق ۶ھ میں نازل ہوئیں [فقہ السنہ طبع مذکور ۲/۴۰] اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا تھا ''واتموا الحج و العمرة لله'' اور حج وعمرہ اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو۔ [البقرہ آیت ۱۹۶] اس کے بعد سید سابق مرحوم نے ایک اضافی بات ابن قیم کے حوالے سے یہ لکھی ہے کہ ابن قیم کا رجحان یہ ہے کہ حج کی فرضیت ۹، یا ۱۰ ہجری میں ہوئی اور انھوں نے ابن القیم کے حوالے سے یہ بات صحیح نقل کی ہے۔ کیونکہ ابن القیم کا یہ قول ان کی کتاب ''زاد المعاد ۲/۱۰۱'' پر موجود ہے۔ [اس کتاب کا تحقیق کردہ ایڈیشن، موسسۃ الرسالۃ بیروت نے ۱۹۸۵ء میں شائع کیا ہے] اور وہ اس مقام پر مزید لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''واتموا الحج و العمرة'' [البقرہ آیت نمبر ۱۹۶] اگرچہ صلح حدیبیہ کے سال ۶ھ میں نازل ہوا۔ لیکن اس میں فرضیت حج کا حکم نہیں بلکہ اس میں یہ حکم ہے کہ حج اور عمرہ شروع کرنے کے بعد اسے پورا ضرور کرو اور بس اتنی سی بات حج کے ابتداء وجوب کا تقاضہ نہیں کرتی۔ پھر وہ قرآن کریم کی دوسری آیات سیرت طیبہ کے تاریخی واقعات کا لب لباب بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

''جو بات ہم نے ذکر کی ہے یہی سلف میں سے بے شمار حضرات کا قول ہے۔ یعنی حج کی فرضیت ۹ھ یا ۱۰ھ میں نازل ہوئی''۔

لہٰذا اب غامدی صاحب کے لیے ہمارا یہی مشورہ ہے کہ انھیں چاہیے کہ جو کچھ انھوں نے سورۂ بقرہ کی آیات قتال کو حج سے مربوط کرنے کا بیان دیا ہے۔ [حج پر کفار کے مسلمانوں کو روکنے کے ضمن میں جہاد فرض کیا گیا] اس سے رجوع کریں اور اس پر نظر ثانی فرما کر اپنی غلطی کا برملا اعتراف کریں۔

غامدی صاحب کا یہ قول سراسر لغو اور ناپسندیدہ ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے تاریخی واقعات جھٹلاتے ہیں اور فرضیت قتال وفرضیت حج کی آیات بھی اسے جھٹلا رہی ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے بہت پہلے علامہ اقبال نے لکھا تھا:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں   ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

حضرت ابوبصیر کے واقعے کی غلط سلط تشریحات غامدی:

غامدی صاحب نے اصل واقعے میں تحریف کر دی:

موصوف نے دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد کے ضمن میں سیاسی اقتدار کی شرط پائی جانے کے بارے میں حاشیہ نمبر ۸ میں جو لکھا ہے کہ ''لوگ اس زمانے میں اس شرط کے وجوب کو رد کرنے کے سلسلے میں حضرت ابوبصیرؓ کے واقعہ کو بیان کرتے ہیں جو صلح حدیبیہ کے بعد قریش کے لوگوں پر قتل وغارت گری کیا کرتے تھے جو کہ علم اور نظریہ کے افلاس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے''۔

عجمی زبان بولنے والے ان ''علامہ'' نے علم و ہدایت کے ائمہ عرب پر جس گھٹیا اندازِ اسلوب میں حملہ کیا ہے اس سے ان کی علمی وفکری زبوں حالی کی قلعی کھل گئی اور یہ بات روزِ روشن کی طرح بیان ہوگئی کہ موصوف فکری، علمی اعتبار سے خود کس قدر افلاس زدہ ہیں۔ اب سنیے یہ ائمہ گرامی کون ہیں جن کے بارے میں غامدی صاحب زہر اگل رہے اور بدکلامی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان میں نمایاں ترین شخص حافظ ابن حجر عسقلانیؒ صحیح بخاری کے سب سے بڑے شارح ہیں جنھوں نے ۱۴ ضخیم جلدوں میں فتح الباری کے نام سے شرح بخاری لکھی ہے اور ان میں سے پہلی جلد صرف مقدمہ پر مبنی ہے۔

غامدی صاحب نے اس حاشیے میں بخاری کی ایک طویل حدیث لکھی ہے [جو ڈھائی صفحات پر مشتمل ہے] ''کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد و المصالحة مع اهل حرب و كتابة الشروط''

جس کا عنوان ہے ''کافروں سے جہاد اور مصالحت میں شرائط کا بیان اور شرطیں لکھنے کا بیان''۔ یہ حدیث صلح حدیبیہ سے متعلق احادیث سے لی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ موصوف کو اتنی طویل حدیث ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ انھوں نے اس کے صرف آخری جملہ سے استدلال کیا ہے اور وہ جملہ یہ ہے:

ويل أُمّه مسعر حرب، لو كان له أحد

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کی ماں ہلاک ہو، یہ جنگ بھڑکانے والا ہے۔ کاش کہ اس کے لیے کوئی ہوتا''۔ غامدی صاحب کے خیال میں ابوبصیر خطاکار اور گناہ گار تھے۔ کیونکہ انھوں نے ایک قریشی کافر کو قتل کیا اور مدینہ آ گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل پر تنقید کی [اور موصوف کے خیال میں] ابوبصیرؓ کے بارے میں اس جملے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقدانہ رائے معلوم کی جاسکتی ہے چہ جائیکہ ان کے عمل سے بغیر سیاسی اقتدار کے جہاد کے لیے استدلال کیا جائے''۔

رسول اللہؐ نے فرمایا تھا ہے کوئی جو ابوبصیر کی مدد کرے:

اب غور فرمائیے کہ علامہ ابن حجر فتح الباری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تفسیر کس طرح کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں ''قول النبي صلى الله عليه وسلم لو كان له احد'' کا مطلب ہے: ہے کوئی جو ابوبصیرؓ کی مدد کرے۔ اس کا سہارا بنے اسے قوت فراہم کرے؟۔''

غامدی صاحب لو کان لا رجال کی تفسیر سے ناواقف اجہل:

امام اوزاعی کی روایت میں الفاظ کچھ یوں آئے ہیں ''لو كان له رجال'' کاش کہ ان [کی مدد] کے لیے کچھ آدمی ہوتے! چنانچہ یہ بات ابوبصیرؓ نے پلے سے باندھ لی اور چلے گئے اور اس جملے میں ان کے لیے فرار کا اشارہ بھی تھا تاکہ رسول اکرمؐ انھیں مشرکین کو واپس نہ کردیں اور [مظلوم مسلمانوں کو] خفیہ پیغام تھا کہ وہ ابوبصیرؓ سے جا کر مل جائیں' [فتح الباری ۳۵۰/۵ مطبوع دار الفکر تحقیق عبدالعزیز بن بازؒ]

ابن حجر کی [اس حدیث کی] تشریح سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ غامدی صاحب ہی وہ گمراہ باغی مفتی ہیں جو علم میں افلاس زدہ ہیں نہ کہ وہ جمہور علماء جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو ویسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ آپ سمجھانا چاہتے تھے اور ان ہی ائمہ میں سے حافظ ابن حجرؒ بھی ہیں۔

جہادِ ابوبصیر سے علماء سنت نے غیر رسمی جہاد کا استدلال کیا ہے:

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ اس کے بعد ابوبصیرؓ نے مدینہ و مکہ کے مابین ایک محفوظ پناہ گاہ بنالی جس میں مکہ کے

دوسرے مظلوم مسلمان آ کر ان سے مل گئے، اور ان سب نے کفار مکہ پر جب وہ شام تجارت کے لیے جاتے تھے گوریلا حملے کرنا شروع کر دیے اور ان کے لیے زندگی دوبھر کر دی اسی سے علماءِ سنت نے غیر رسمی جہاد کا استدلال کیا ہے۔

اس کے بعد ہم مبدأ الجہاد کی دوسری قسط کی طرف آتے ہیں۔ یہاں غامدی صاحب ''نوعیۃ المسئولیۃ'' ذمہ داری کی نوعیت کے عنوان سے سورۂ انفال کی آیت ۶۴ کی تفسیر کر رہے ہیں جس میں یہ مذکور ہے کہ بیس صابر ایمان والے دوسو کافروں پر غالب آ جائیں گے اور ایک سو صابر ایمان والے ایک ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے۔

سورہ انفال کی آیت ۶۴ سے جہاد کو ترک کرنے کا غامدی استدلال:

غامدی صاحب اس آیت کی تفسیر میں اپنے استاد اور امام [یہ صرف انہی کے امام ہیں] امین احسن اصلاحی صاحب کا یہ قول پیش کرتے ہیں حالانکہ اس میں کوئی نیا تفسیری اور لائق اہمیت نکتہ نہیں ہے۔ البتہ اس آیت اور اس کے بعد والی آیت کی تفسیر میں نئی بات یہ ہے جو عربی سے ناواقف اس مفسر نے لکھی وہ کہتے ہیں۔

یہ حکم [بیس مومنوں کے دوسو کافروں پر اور سو مومنوں کے ہزار کافروں پر غالب آ جانے کا] شروع کے مرحلے میں تھا اور اس کے بعد جب مہاجرین و انصار کے علاوہ دوسرے قریب اور دور کے لوگ مسلمان ہوئے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو حالات بھی بدل گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان پر سے یہ ذمہ داری کم کر دی اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ [8:64]

[اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور جان لیا کہ تم میں کمزور لوگ بھی ہیں پس اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آ جائیں گے اور بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ [انفال ۶۴]

مسئلہ جہاد کو غامدی صاحب قرآن سے سمجھنے سے قاصر رہے:

پھر ایک بے فائدہ طویل گفتگو کے بعد جو رکاکت اسلوب ونحوی غلطیوں سے بھرپور ہے اس آیت کریمہ سے جو بات وہ نکالنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے۔ ''مسلمانوں پر جہاد کا قیام قطعاً لازم نہیں ہے اگر چہ ظلم وزیادتی حقیقتاً ثابت بھی ہو جائے۔ مگر صرف اس صورت میں جب مسلمانوں کے پاس مطلوب معیار کی حربی قوت موجود ہو اور اس کا کم سے کم معیار دو کے مقابلے میں ایک ہے۔''

[حیرت ہے کہ یہاں بھی عربی صحیح نہ لکھ سکے [واحد واثنین] لکھا ہے جب کہ واحد الی اثنین] ہونا چاہیے۔

ان کی یہ گفتگو قلت فہم یا قرآن کے بالکل برعکس فہم پر دلالت کرتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے نہ حدیث نبوی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نہ ہی اسلامی تاریخ کی طرف بلکہ وہ اپنی ٹوٹی پھوٹی اور کمزور عربی ہی پر اعتماد کرتے ہیں۔

کیا تمام غزوات میں کفار اور مسلمانوں کی نسبت ایک اور دو رہی:

اکثر غزوات میں نسبت ایک کے مقابلے میں چار، سات اور پندرہ رہی:

یہاں ایک ایسا شخص جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات سے واقف ہے ان سے اگر سوال کرے گا کہ بتائیے رسول اکرمؐ کے ان غزوات میں کفار اور مسلمانوں کی تعداد کا تناسب کیا تھا؟ جو بدر کے بعد وقوع پذیر ہوئے؟ احد، الاحزاب،

خیبر، تبوک وغیرہ؟ کیا یہ نسبت ہمیشہ ہی ایک بمقابلہ دو تھی؟ اس کا جواب بغیر کسی شک وتردد کے ''نہیں'' میں ہوگا۔

چنانچہ دوسرا سوال یہ ہے کہ پھر وہ نسبت کیا تھی؟ تو جواب یہ ہوگا کہ غزوۂ احد میں ایک کے مقابلے میں چار کافر کی نسبت تھی کیونکہ معروف بات یہی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد سات سو تھی، منافقین اپنے تین سو افراد لے کر جنگ سے پہلے مدینہ واپس ہوگئے تھے غزوہ احزاب یعنی خندق میں بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ کیونکہ مسلمان تین ہزار تھے اور کفار قریش اپنے حلفاء کو ملا کر دس ہزار تھے۔ غزوہ خیبر میں تو دشمن کی تعداد اور بھی زیادہ تھی کیونکہ مسلمان چودہ سو تھے اور یہ وہی صحابہ تھے صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے اور یہودیوں کی ان کے مختلف قلعوں میں تعداد تقریباً بیس ہزار تھی تو نسبت تقریباً یوں بنی کہ ایک مسلمان تقریباً پندرہ یہودیوں کے مقابلے میں تھا۔

سورہ انفال کی آیت ۶۴ میں قوت میں تخفیف کی اجازت دی گئی:

غامدی صاحب نے اس رخصت سے ترک جہاد کا استدلال برآمد کیا:

اب غامدی صاحب سے پوچھا جائے کہ بتایئے [ہر غزوہ میں نسبت تو یہ رہی] تو کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے [معاذ اللہ] اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف عمل کیا؟ جو سورۂ انفال کی آیت ۶۴ کی تفسیر میں آپ نے لکھا ہے۔ ''ہرگز نہیں'' بلکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمائی ہے۔ وہ امر وجوب نہیں تھا بلکہ اباحت کے طور پر تھا۔ یہ تو مسلمانوں کے اس دور کی نسبت ہے جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان موجود تھے۔ اگر آپ خلافت راشدہ میں مسلمانوں کے بعد کے بڑے بڑے معرکوں کی تاریخ کا تتبع کریں گے جو حضرتِ عمرؓ کے مبارک دور میں واقع ہوئے۔ خصوصاً ایرانیوں اور بازنطینیوں کے خلاف معرکے، تو ان میں بھی مسلمانوں کی تعداد ہمیشہ دشمن کی تعداد کی نسبت سے بہت ہی کم رہی۔

مسلمانوں کی تعداد میدان جہاد میں سلف سے خلف تک ہمیشہ بے حد کم رہی:

یہ نسبت اکثر ایک کے مقابلے میں سو پچاس اور ستر سے بھی زیادہ رہی ہے:

اسی طرح اموی اور عباسی، سلجوقی اور ایوبی سلاطین یا اندلس میں مرابطی اور موحدین کے ادوار میں یا عثمانی ترکوں کے دور میں یعنی بلقان کی لڑائیوں وغیرہ میں بھی تعداد کی اس نسبت کا کبھی خیال نہیں رکھا گیا بلکہ ہزاروں مسلمانوں کے مقابلے میں لاکھوں دشمن ہوتے تھے۔ ہمارا یہاں موضوع تاریخ نہیں ورنہ اور اعداد وشمار پیش کرتے۔ اس کے باوجود سب ہی کو معلوم ہے اور اس بات کے تاریخی ثبوت وشواہد موجود ہیں کہ معرکۂ حق وباطل میں مسلمانوں کے دشمنوں کی تعداد بہ اعتبار نسبت بہت زیادہ رہی ہے۔ ہم زمان ومکان کے اعتبار سے دور کسی تاریخی دور میں کیوں جائیں۔ ہمارے معروف ومشہور مغل فاتح ظہیر الدین بابر کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ کھنوا کے مشہور ومعروف معرکہ میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز نہ تھی جب کہ ہندو راجہ رانا سانگا کی افواج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی اور اس میں جنگی ہاتھیوں کا ایک بڑا دستہ بھی موجود تھا۔ بلکہ ہم اس سے بھی قریب تر تاریخ کا مطالعہ کریں اور ان جہادی تحریکوں پر نظر ڈالیں جنھیں حکام وسلاطین وقت نہیں چلا رہے تھے جس کا ذکر ہم نے ابتداء میں کیا جیسے سید احمد شہید کا جہاد جو صوبہ سرحد [فرنٹیر] میں وقوع پذیر ہوا ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی رضا کار مجاہد فوج کی تعداد سکھوں اور نظامی فوج کے مقابلے میں تمام معرکوں میں چند ہزار سے آگے نہیں بڑھی چاہے وہ مقامی خوانین کے خلاف ہو یا سکھوں کے خلاف۔ پہلا معرکہ جو اکوڑہ خٹک کے مقام پر ہوا اس میں سکھوں کی تعداد سات ہزار اور مجاہدین کی تعداد محض سات سو تھی جن میں سے دو سو مجاہدین مقامی مسلمانوں پر مشتمل تھے اور پانچ سو سید احمد شہید کے ہمراہ آنے والوں کی تھی۔ اس معرکہ میں مجاہدین کو اللہ

تعالیٰ نے ایسی شاندار فتح سے نوازا کہ سات سو دشمنان اسلام مارے گئے اور صرف چھتیس مجاہد شہید ہوئے۔ ملاحظہ کریں کہ یہ نسبت ایک کے مقابلے میں دس کی ہے۔

اسی طرح دوسری جہادی تحریکوں میں الجزائر میں امیر عبدالقادر الجزائریؒ کی تحریک جہاد داغستان میں امام شامل نقشبندیؒ کی تحریک جہاد اور سید احمد شریف سنوسی کا جہاد، اطالوی فوج کے مقابلے میں اور امیر عبدالکریم ریفی کا جہاد اسپانیوں کے مقابلے میں ریفِ مراکش میں۔ ان تمام تحریکوں میں مجاہدین بڑی بڑی سرکش و غاصب حکومتوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

یہ آخری تحریک جس کے بارے میں ہم زیادہ تر اسلامی رہنما امیر شکیب ارسلان کے واسطے سے ہی جانتے ہیں، انھوں نے ان مجاہدین کی جو تفصیل لکھی ہے وہ بعض ان فرانسیسی مصنفین کے واسطے سے لکھا ہے جو خود ریف گئے اور امیر عبدالکریم سے ملے یا ان کے علاوہ کچھ علماء مغرب (مراکش) سے نقل کرتے ہیں امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں:

افواج اسپین اور مجاہدین کی تعداد کی نسبت کچھ یوں تھی کہ ایک مجاہد چار اسپینی فوجیوں کے مقابلے میں تھا اور مجاہدین کی تعداد جیسا کہ ان رپورٹروں نے لکھا ہے جنھوں نے ریف جا کر انھیں دیکھا تھا تیس ہزار سے زائد نہ تھی۔ ریف میں امیر عبدالکریم کا دارالحکومت خزامی کہلاتا تھا اور ان سے لڑنے والی اسپینی فوج ایک لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ کے درمیان تھی۔

ترکی میں خلافت عثمانیہ جہاد فی سبیل اللہ کا ثمر تھی:

اقتدار کے بغیر بے شمار کامیاب جہاد ہوئے:

غامدی صاحب نے اپنے مقالے میں پورے دو صفحوں میں انواع جہاد اور فضیلت جہاد کی احادیث بیان کی ہیں۔ ان احادیث کو ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ جب وہ جہاد کے لیے یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ ایک سیاسی اقتدار کے ماتحت ہو، جب کہ ان زمانوں میں جن کی ہم نے مثالیں پیش کیں، حکمراں یا تو اہمیت جہاد پر ایمان نہیں رکھتے تھے یا اجنبی دشمنوں کے آگے سر جھکائے ہوئے تھے۔ ان کو جرأت ہی نہ ہوتی تھی کہ وہ مستعمر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور جہاد کا اعلان کریں۔ لہٰذا اس فرض کی ادائیگی کے لیے علماء و صلحا جو عوام میں سے تھے، کھڑے ہوئے اور انھوں نے اللہ کی رضا جوئی اور مسلمانوں کی ثناء حاصل کی، اور اب تک لوگ ان کے ثنا خواں ہیں۔ بہت سے لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ ترکی میں قائم ہونے والی خلافتِ عثمانیہ جہاد فی سبیل اللہ کے نتیجے میں قائم ہوئی تھی۔ یہ چودھویں صدی کے شروع کی بات ہے اور اس بات کو چھ سو سال گزر چکے ہیں موجودہ ترکی (ایشیاء کوچک یا اناطولیہ) میں اس وقت دس ترکی حکومتوں سے کم نہیں تھیں جو تاتاری حملے کے بعد سلجوقی حکومت کے پارہ پارہ ہونے کے سبب وجود میں آئی تھیں۔

غازی عثمان نے حکومت کے بغیر بازنطینی فوج کو شکست دی:

گیلی پولو پر قبضہ کیا اور امارت المجاہدین قائم کی:

عظیم مسلم خلافت عثمانیہ اسی امارت کا ثمر تھی:

اسی زمانے میں ایک ترک سردار عثمان بن ارطغرل کھڑا ہوا اور شمال مغربی اناطولیہ کے تنگ علاقے میں اپنے جتھے کو مجاہدین کی امارت میں منظم کیا، اور ان بازنطینی افواج سے ٹکر لی جنھوں نے اس سرحدی علاقے میں مسلمانوں پر زندگی تنگ کر رکھی تھی جب کہ اناطولیہ میں چھوٹی بڑی مسلمان حکومتیں اپنے ہی معاملات میں الجھی ہوئی اور نفسانفسی میں مبتلا تھیں۔ بازنطینیوں کو روکنے کی نہ کسی میں ہمت تھی نہ فکر۔ یہ کام غازی عثمان نے انجام دیا ابتدائی مجاہدانہ کارروائیوں میں کامیابیوں کے بعد ۱۳۰۰ھ میں

غازی عثمان نے اپنی چھوٹی سی امارت قائم کی جو امارۃ المجاہدین کہلاتی تھی۔ ترکی میں غازی (بمعنی مجاہد) کا لقب جب ہی سے چلا آ رہا ہے۔ غازی عثمانؒ کے بیٹے اورخان کی فوجوں نے ۱۳۵۷ھ میں آبنائے رودنیل پار کر کے اہم یورپین ساحلی شہر گیلی پولی پر قبضہ کرلیا جس کے بعد ۱۳۶۱ھ میں سلطان مراد اول کے عہد میں بلقان کا اہم شہر ادرنہ فتح ہوگیا جس کو اس سلطان نے اپنا پایۂ تخت بنالیا، آج بھی ادرنہ ترکی کا ایک شہر ہے، جنوب مشرقی یورپ میں یہ امارت مجاہدین بڑھتی رہی حتی کہ سلطان مراد اول نے صلیبیوں کو ۱۳۸۹ء میں قوصووہ کی فیصلہ کن جنگ میں شکستِ فاش دی، اور پھر بلقان یعنی جنوب مشرقی یورپ میں اسلام مضبوط ہوتا چلا گیا حتی کہ ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ نوجوان سلطان محمد الثانی کے ہاتھوں فتح ہوگیا اور اس اہم فتح کے بعد اس کا لقب ہی محمد فاتح پڑ گیا۔ قسطنطنیہ سلطان سلیمان قانونی کے دور یعنی سولہویں صدی میں جدید اسلامی خلافت کا دارالحکومت بن گیا اور عثمانی سلطنت [Ottomon Empire] ایک عالمی طاقت اور یورپ کی سب سے بڑی سیاسی وعسکری طاقت بن گئی۔ یہ سب غازی عثمان اول کے جہاد کا ثمرہ تھا کہ ایک عظیم سلطنت قائم ہوئی جس نے تین سو سال تک خلافت عثمانی کے نام سے مشرقی یورپ، مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پروئے رکھا۔

علاوہ ازیں ہمارے سامنے فلپائن کے مسلمانوں کا معاملہ ہے جو ایک متعصب نصرانی حکومت کے خلاف منڈاناؤ میں چالیس سال سے اپنے حقوق کے حصول کی جدوجہد میں برسرپیکار ہیں۔ باوجود یہ کہ ان کے پاس سیاسی اقتدار موجود نہیں ہے لیکن ان کی جہادی تحریک قائم ہے اور ان کا جہاد اور مزاحمت منیلا کی حکومت کے ظلم وستم کے باوجود ماند نہ پڑ سکا، بلکہ حکومت جہاد کے باعث مجبور ہوگئی ہے۔ ان کا مطالبہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ ان کو داخلی خودمختاری دی جائے۔

غامدی صاحب نے انفال کی آیت ۵۸ کی محرف اور غلط سلط تشریح فرمائی:

اس تشریح کا مقصد مجاہدین کی تحریکوں کو زک پہنچا جہاد کو کمزور کرنا:

غامدی صاحب نے مبدأ الجہاد (قانون جہاد) کی تشریح اور اس سے متعلق آیاتِ قرآنی کی تفسیر میں اپنے استاد امین احسن اصلاحی مرحوم کی تفسیر پر اعتماد کیا ہے۔ جنھوں نے اردو زبان میں قرآن کی تفسیر کی ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ قدیم مفسرین اور نامور ائمہ وعلماء مثلاً طبری، قرطبی، رازی اور ابن کثیر وغیرہم کی تفاسیر سے رجوع کریں۔ عرب میں کون ہے جو مولانا امین اصلاحی صاحب اور ان کی اردو تفسیر کو جانتا ہے اور غامدی صاحب صرف ان کی تفسیر پر اعتماد کرنے کی وجہ سے اوہام میں گرفتار ہوگئے ہیں جیسا کہ انھوں نے سورہ انفال کی آیت ۵۸ کی تفسیر میں کہا ہے۔

واما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء ان الله لايحب الخائنين

ترجمہ: اور اگر تم کسی قوم کی خیانت سے خوف کرو، تو برابری کی بنیاد پر ان کی طرف (معاہدہ) لوٹا دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ معاہدہ محض خطرے کے گمان کی بنیاد پر فسخ کرنا جائز نہیں۔ بلکہ جب فریقِ مخالف کی طرف سے عملی طور پر عہد کی خلاف ورزی ظاہر ہو تو اس وقت معاہدہ توڑنا جائز ہے۔ اس آیت کی یہ تفسیر الفاظِ قرآن کے بالکل خلاف ہے قرآن میں تو ہے:

''**واما تخافن من قوم خيانة**'' اور اگر تم کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو۔

آیت میں تو معاہدے میں خیانت کے صرف اندیشہ کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ:

''جب اس قوم سے خیانت ظاہر ہو جائے''

تعجب ہے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب پر کہ وہ مسلمانوں کے لیے معاہدے کو توڑنا اس وقت تک جائز نہیں کہتے جب تک کہ معاہدے کی عملی مخالفت دشمن کی طرف سے ظاہر نہ ہو جائے۔

غامدی صاحب رسالت مآبؐ کے قول فعل عمل کو بھی تفسیر قرآن کے لیے حجت نہیں مانتے:

اس بات کا تو کوئی بھی قابلِ اعتماد متقدم مفسر قائل نہیں ہے بلکہ قرطبی، رازی وغیرہ سب نے یہی لکھا ہے کہ جب آثار و دلائل سے دشمنوں کی خیانت معلوم ہو جائے تو اس وقت مسلمانوں کے لیے عہد فسخ کرنا یعنی اس کا اعلان کرنا جائز ہے۔ اور اس بارے میں ان حضرات نے غزوۂ خندق کے موقع پر بنو قریظہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ اس وقت ایسی نشانیاں اور آثار نظر آئے تھے کہ انھوں نے قریش مکہ سے معاہدہ کر لیا ہے اور گویا انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کیا ہوا معاہدہ توڑنے کا اعلان فرمایا اور ان پر عسکری حملے کی قیادت فرمائی۔ بخلاف اہل مکہ کے جب ان کی طرف سے حدیبیہ کے معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی ظاہر ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علم میں لائے بغیر معاہدہ ختم کر دیا اور لشکر تیار کر کے مدینہ سے فتح مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

اس تفصیل کے پیش نظر اس آیت کی یہ غلط تفسیر ہے جس میں غامدی صاحب نے اپنے استاد کی متابعت کی ہے، لیکن عام عربی تفاسیر کو دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ بلکہ اگر وہ اردو میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر یا مولانا مودودیؒ کی تفہیم القرآن دیکھ لیتے تو ان کو نظر آتا کہ ان تمام حضرات نے اس آیت کی تفسیر وہی کی ہے جو ہم نے بیان کی ہے لیکن غامدی صاحب اصلاحی صاحب اور فراہی صاحب کی تفسیر قرآن کے سوا کسی اور تفسیر کو لائق التفات ہی نہیں سمجھتے ہیں یہ بڑا ہی عجیب وغریب نظریاتی استعباد ہے۔

غامدی صاحب میدان قتال میں مجاہدین کے تفاخر کو غلط قرار دیتے ہیں:

یہ محرف موقف بھی مجاہدین کو زک پہنچانے کے لیے ہے:

دوسری بات اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے جو قانون جہاد میں لکھی گئی ہے وہ یہ کہ غامدی صاحب یہاں میدانِ قتال میں دشمن سے مقابلے کے لیے نکلتے وقت تفاخر کو ناجائز سمجھتے اور کہتے ہیں اور اس سلسلے میں کچھ آیتیں بھی پیش کی ہیں، آیتیں تو حق ہیں۔ لیکن غامدی صاحب نے اس کے لیے سورۂ توبہ کا جو حوالہ دیا ہے وہ غلط ہے۔ بلکہ میدانِ جہاد میں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم سورۂ انفال آیات نمبر ۴۰ میں دیا گیا ہے۔

یاایّہا اذین آمنو ا اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکرو اللہ کثیراً لعلکم تفلحون

اے ایمان والو۔ جب تم کسی گروہ (دشمن) کا سامنا کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب ذکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اور وہ آیت جو دشمن سے مقابلے کے لیے نکلتے وقت غرور اور اترانے سے منع کرتی ہے وہ بھی سورہ توبہ میں نہیں بلکہ سورہ انفال کی آیت نمبر ۴۷ ہے۔

ولاتکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطراً ور ئاء الناس

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے (ریاکاری کرتے) ہوئے

نکلتے ہیں۔

یہاں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ غامدی صاحب نے ایک اہم موضوع کو کیسے چھوڑ دیا جو آیت نمبر ۴۶ میں مذکور ہے اور وہ ہے جنگ کے وقت آپس میں جھگڑا نہ کرنے اور پھر دشمن سے مقابلے کے وقت ثابت قدم رہنے کا۔ وہ آیت یہ ہے:

واطیعو الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم واصبروا ان الله مع الصابرین

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

غامدی صاحب کی وہ عجیب بات جس کی طرف میں نے اشارہ کیا وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں:

''دشمنوں سے لڑائی کے دوران میدان جنگ میں مومن کے لیے تواضع اور انکساری ضروری ہے''۔

تفاخر کے خلاف غامدی صاحب کا استدلال سنت رسول اللہ اور تعامل صحابہ سے متصادم ہے:

یہ بات میدانِ قتال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طریقے کے خلاف ہے۔ چونکہ جو بات ثابت اور معروف ہے وہ یہ ہے کہ حنین کے معرکے میں جس وقت اچانک تیروں کی بارش سے گھبرا کر مسلم فوج کا اکثر حصہ بھاگ کھڑا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار اپنی جگہ ثابت قدم رہتے ہوئے فخر کے ساتھ یہ رجز یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب

میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں

اس طرح خیبر کے معرکہ میں جس وقت مرحب یہودی نے رجز یہ اشعار پڑھتے ہوئے کہا تھا کہ ہے کوئی جو میرا مقابلہ کرے؟ تو صحیح مسلم کی روایت کے مطابق مسلمانوں کی صف میں سے حضرت علیؓ نکلے اور انھوں نے یہ رجز یہ اشعار پڑھے۔

انا الذی سمتنی امی حیدره کلیث غابات کریه المنظره

أو فیهمُ بالصاع کیل السندره

میری ماں نے میرا نام شیر رکھا ہے اور میں جنگلوں کے ہیبت ناک شیر کی طرح ہوں

ان کے سیر کا جواب سوا سیر سے دوں گا

یہ آخری مصرع عربی زبان کی مثل ہے، صاع اور سندرہ غلے کے پیمانوں کے نام ہیں، سندرہ صاع سے بہت بڑا ہوتا ہے، ہم نے اردو کی مثل لکھ دی ہے۔ عربی زبان میں حیدرہ اور حیدر دونوں شیر ببر کے لیے ہے۔ حضرت علیؓ یہ رجز یہ اشعار پڑھتے ہوئے مرحب پر حملہ آور ہوئے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا (صحیح مسلم کتاب الجہاد) پھر یہ کہ اگر میدان جنگ (غامدی صاحب کے مضمون میں یہی لفظ ہے) میں کوئی آدمی عاجزی وانکسار کے انداز میں سر جھکائے اپنے دشمن کے سامنے آئے گا تو وہ دشمن کے ایک وار میں ڈھیر ہو جائے گا، اس طرح میدان جنگ میں عاجزی وانکساری تو عقل عام کے بھی خلاف ہے۔ بہر حال یہ ہیں جہاد کے حوالے سے غامدی صاحب کے اقوال متہافتہ۔ حیرت ہے کہ کچھ لوگ انھیں ایک اسلامی مفکر سمجھتے ہیں لیکن یہ لوگ وہی ہیں جو عربی زبان اور دینی علوم سے بیگانہ ہیں، یا وہ جنھوں نے موصوف کی شاگردی میں اپنا وقت ضائع کیا ہے۔